بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۲۵ / جولائی ۲۰۲۲ء مطابق ۲۵ / ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ | شمارہ نمبر ۱۸

اس شمارے میں

شعروادب		
ترتیبِ خلافت بھی ہے یہی.....	حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ	۴
اداریہ		
محرم الحرام نئے ہجری سال کی ابتداء	شمس الحق ندوی	۵
روح پرور		
غیرتِ صدیقی پیدا کرنے کی ضرورت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
طاعت وعبدیت		
رب کی بندگی اور دعا	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۳
فکر معاصر		
اسلامی تشخص اور اقدار کی حفاظت	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۷
صبتے با اھل دل		
انسان کی فضیلت علم سے وابستہ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۰
حق وباطل		
حیاتِ ابراہیمی اور موجودہ حالات	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۱
سراغِ زندگی		
طالبانِ علوم نبوت سے چند باتیں	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۴
دین فطرت		
نعمتِ اسلام پر شکر ادا کیجیے!	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۲۶
یادِ رفتگاں		
پروفیسر نادر علی خاںؒ - نابغۂ روزگار شخصیت	پروفیسر مہتاب عالم	۲۸
تذکیر وارشاد		
یوم عاشوراء کی اہمیت وفضیلت	محمد قمر الزماں ندوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ نمبر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

ترتیبِ خلافت بھی ہے یہی، ترتیبِ فضیلت بھی ہے یہی

حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ

اصحابِ محمدؐ حق کے ولی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
یارانِ نبیؐ میں سب سے جلی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

وہ شمعِ حرم کے پروانے، وہ ختمِ رسلؐ کے دیوانے
بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

اسلام نے جن کو عزت دی، اسلام کو قوت جن سے ملی
ایماں کی روایت جن سے چلی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

ترتیبِ خلافت بھی ہے یہی، ترتیبِ فضیلت بھی ہے یہی
لگتی ہے یہی ترتیب بھلی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

اس نظم کی خوش بو پھیلے گی، یہ خوش بو ہر سو پھیلے گی
گونجے گا یہ نغمہ گلی گلی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

یہ کتبہ حرم کی زینت ہے، یہ لوح و قلم کی زینت ہے
لکھ شاہ نفیسؔ اب اس کو جلی، بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

☆☆☆☆☆

اداریہ

محرم الحرام نئے ہجری سال کی ابتداء

شمس الحق ندوی

ماہ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ سے نئے ہجری سال کی ابتداء ہورہی ہے، چودہ سو تینتالیس سال پہلے پورا عالم ظلم و زیادتی، وحشت و بربریت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ جیسے جنگل میں رات ہوجائے، اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ جو زور آور تھے اپنی راحت وآرام کے لیے کمزوروں پر ہر طرح کا توہین آمیز اور جگر سوز سلوک کو نہ صرف درست سمجھتے تھے؛ بلکہ اس میں ان کو لطف بھی آتا تھا۔ کس کا دل گردہ تھا کہ اس اندھیرے میں، قوت وطاقت کے اس نشہ میں جو روم وایران کی حکومتوں کو مست و پاگل ہاتھیوں کے غول کی طرح جس کو چاہتے روندتے اور تباہ کرتے، روک لگانے اور اس ظلم وجور سے باز آنے کی آواز بلند کرتا۔ خود صحرائے عرب کا یہ عالم تھا کہ بے شمار وخود ساختہ خداؤں کی عبادت میں اس طرح لگے ہوئے تھے کہ اس دنیا کے بعد آنے والی دائمی دنیا اور پوری کائنات کے مالک وخالق کے سامنے پیشی اور حساب کا قطعاً کوئی تصور نہ تھا، اس لیے یہاں بھی ہر طرح کے پاپ وگناہ کا بازار گرم تھا؛ بے حیائی، فحش کاری، لوٹ مار، ان کا شیوہ بن چکا تھا، حد یہ کہ اپنی ہی اولاد، اپنے ہی جگر کے ٹکڑوں کو زندہ دفن کردیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ پورے عالم میں انسانیت ومقامِ انسانیت کا کہیں دور دور پتہ نہ تھا، اور مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

''تمدن سے کوسوں دور، تہذیب کے سبزہ زاروں سے الگ، ایک ویران وبے رونق بستی میں، چلچلاتی دھوپ والے آسمان کے نیچے، خشک وپتھریلی زمین کے اوپر، ایک شریف لیکن ان پڑھ اور بے زر خاندان میں ایک بچہ عالم آب وگل میں آنکھیں کھولتا ہے'':

جب ظلم و ستم حد سے گذرے، تشریف محمدؐ لے آئے

دنیا کے اس بگڑے ہوئے ماحول میں، جہاں انسانیت آگ میں چھلانگ لگانے کے لیے تیار کھڑی تھی، حالتِ یتیمی میں پروان چڑھنے والے، مال وزر سے تہی دست، علم وآگہی سے خالی، جاہ ومنصب سے کوسوں دور یتیم کو حکم ہوتا ہے کہ اپنے سے اشرف المخلوقات کا تاج اتار پھینکے، اور اپنے مقام ومنصب سے دور پڑی ہوئی انسانی آبادی کو راہِ راست پر آجانے کی صدا لگائے، اور ان کو ان کا بھولا ہوا مقام یاد دلائے۔

اپنے مالک کا حکم پاکر آواز لگانے والے نے آواز لگائی، مگر جواب میں انکار تھا، طنز وتعریض، ہلڑبازی اور ہنسی مذاق تھا، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ظلم وجور تھے جو پہاڑ سے آواز لگانے والے پر اور جو کوئی اس آواز پر کان دھرتا، سنتا اور مانتا، اس پر توڑے گئے۔ یہ تاریخِ انسانی کی کتنی حیرت انگیز داستان ہے کہ سکون وچین کی طرف بلانے والے ہی کو مجرم گردانا گیا، مگر آواز لگانے والے اور اس کے ساتھیوں کے بے مثال صبر وتحمل نے ستانے والوں کے دل کی دنیا بدل دی، اور ایسی بدلی کہ؛

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا!!

اب خود ان کا یہ حال تھا کہ جب ہوش و خرد کی آنکھیں کھلنے لگیں تو وہی آواز ان کے لیے سریلے گیت سے بھی زیادہ خوش کرنے والی اور بانسری کی آواز سے بھی زیادہ سریلی اور سرمست کردینے والی آواز بن گئی، اور وہ اس کے چشم و ابرو کے اشارہ پر تن من دھن سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوگئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثالی اور لاثانی انسانی مجموعہ تیار کردیا، جس میں امیر وغریب، حاکم ومحکوم، کالے گورے، عالم وجاہل ہونے کی بنیاد پر کوئی فرق نہ رہا۔ بقول مولانا حالیؒ:

لگایا تھا حالی اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

ہاں اگر کوئی فرق تھا، یا کسی کو کسی پر کوئی شرف وفضیلت حاصل تھی تو اس بات پر کہ اعمال وکردار میں کون بڑا ہے۔ وہ ہر طرح سے شریعتِ خداوندی کے پابند تھے؛

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی جان ان کی
جہاں کردیا گرم، گرما گئے وہ
جہاں کردیا نرم، نرما گئے وہ

ہر مسلمان کا یہی شعار ہونا چاہیے جو دوسری قوموں کے لیے باعثِ کشش ہو، اس لیے کہ یہ امت اب قیامت تک کے لیے کارِ نبوت انجام دینے کی ذمہ دار بنائی گئی ہے، اور یہی اصلاح وتربیت کا کام انجام دیتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعزیتی بیان

بروفات حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسارپوریؒ

ابھی بعد نماز جمعہ خبر ملی کہ سہارنپور کے عظیم بزرگ حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری اس دنیا سے رحلت فرماگئے، دل پر بڑا اثر پڑا، وہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور اس وقت حضرت کے قائم مقام تھے، فنائیت اور انکارِ ذات کی خصوصیت ان کو حاصل تھی، ادھر عرصہ سے پیروں کی تکلیف کی وجہ سے ان کو معذوری ہوگئی تھی؛ لیکن ان کا فیض جاری تھا، دور دور سے لوگ آتے تھے اور فائدہ اٹھاتے تھے، مولانا کے والد ماجد حضرت مولانا اسحاقؒ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے کبار خلفاء میں سے تھے، ان کی وفات حضرت کی زندگی میں ہوگئی تھی، والد صاحب کے بعد مولانا حکیم مکرم حسین صاحب کو بھی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت بیعت وارشاد سے نوازا تھا، وہ بڑے حکیم بھی تھے؛ لیکن ان کی اصل صفت زہد واخلاص اور اصل کام تربیت وارشاد کا تھا، ان کی پوری زندگی انہی اوصاف کے ساتھ گذری۔

اس دورِ قحط الرجال میں ان کے جانے سے بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادگان اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، میں ان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کا سلسلۂ فیض ان کے صاحبزادگان کے ذریعہ جاری رکھے، آمین۔

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ — (حضرت مولانا) محمد رابع حسنی ندوی (دامت برکاتہم)
۲۲/جولائی ۲۰۲۲ء — ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

روح پرور

غیرتِ صدیقی پیدا کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

تاریخ میں اور بڑے بڑے پیشوایانِ مذاہب اور داعیانِ انقلاب اور مصلحین امت اور بانیانِ سلطنت کے تذکرے میں ان کے بہت سے جملے نقل کیے گئے ہیں، جن میں ان کے دل کی تڑپ اور ان کا اندرونی سوز، ان کا یقین جھلکتا ہے، بلکہ تڑپتا ہے، اور ان فقروں نے اپنے وقت پر بڑا کام کیا ہے، لیکن میرا جتنا مطالعہ ہے اور میں نے کم سے کم تین زبانوں عربی، فارسی اور اردو میں جو تذکرے پڑھے ہیں، اور جو تاریخ کی کتابیں پڑھی ہیں، ان میں ایک جملہ مجھے ایسا ملا ہے جس میں ایک کتاب ہی کا مضمون نہیں بلکہ اس میں ایک طوفان ہے، اور اس ایک جملہ نے وہ کام کیا ہے جو بڑی بڑی فوجوں نے، بڑی بڑی طاقتوں نے، بڑی سلطنتوں نے، اور بڑی بڑی ذہانتوں نے، اور بڑے بڑے عزم وارادہ نے وہ کام نہیں کیا۔

وہ فقرہ ہے جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ لے کر جائیں، مجھے بعض مرتبہ کسی بین الاقوامی اجتماع میں جس میں عالم اسلام کے (کم سے کم) ممتاز ترین افراد جمع تھے، اور بڑے بڑے علماء اور مفکرین، اور بڑے بڑے اپنے ملک کے قائدین جمع تھے، مجھ سے آخر میں کہا گیا کہ میں کچھ عرض کروں، تو میں نے ان کی خدمت میں بھی وہی جملہ پیش کیا، میں نے کہا کہ آپ اتنے دن سے تقریریں سن رہے ہیں اور تقریریں کر رہے ہیں، اور اجلاس میں شریک ہیں، یہاں سے آپ کیا امانت لے کر جائیں گے؟ کیا پیغام لے کر جائیں گے؟ اور کس چیز کو اپنا رہبر بنائیں گے؟

وہ فقرہ حضرت صدیق اکبر کا فقرہ ہے، جس کا ترجمہ ممکن نہیں، اور اگر بہتر سے بہتر زبان میں ترجمہ کیا جائے تو وہ جوش، وہ درد اور وہ یقین کہاں سے آ سکتا ہے جو اس جملہ کے اندر ہے؟ اور جس جملہ نے کہا جا سکتا ہے کہ کایا پلٹ دی، بالکل انقلاب برپا کردیا، اور اگر میں یہ کہوں کہ ہم اور آپ جس دین کے امین ہیں، جس دین کے حامل ہیں، اور جس دین پر عمل کر رہے ہیں، اور آج جو دین اسلامی اور شریعت اسلامی اس وقت روئے زمین پر ہے، اور جس کے نتیجہ میں یہ ہزاروں، لاکھوں مدارس قائم ہوئے ہیں، اور علوم شرعیہ کی تعلیم ہو رہی ہے، اور دین کے نام پر ہر زمانہ میں لوگ اپنی جانیں دیتے رہے، مال دیتے رہے، اور اپنی عزیز سے عزیز ترین متاع لٹاتے رہے، یہ سب اس جملہ کے سر ہے جس کے متکلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایسا بھی کبھی ہوا ہے کہ بولنے والا، متکلم تو متکلم ہے، لیکن اس کے کلام نے وہ اثر کیا ہے جو بڑے بڑے زندہ انسان اور بڑے بڑے طاقتور سلاطین، اور بڑی فوجوں اور فوجی طاقتوں کے مالک نہیں کر سکے، یہ وہ جملہ ہے کہ جس وقت عرب کی سرزمین پر ارتداد پھیلنے لگا، اور ارتداد پھیلا اور طوفان کی طرح پھیلا، سیلاب کی طرح پھیلا، یہاں تک کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ اب اس دین کا اللہ ہی محافظ ہے، اب آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے، اور مدینہ طیبہ، جواثی اور طائف ایسے مقامات تھے کہ جہاں مسلمان سمٹ کر رہ گئے تھے، اور وہاں دین اپنی پوری شکل میں موجود تھا۔

اس وقت صدیق اکبر نے جو صحیح معنوں میں خلیفۃ الرسول تھے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد حکمت الٰہی نے جس شخصیت کا انتخاب کیا، اس میں راز یہی تھا کہ سب سے پہلے اس دین کے محفوظ ہونے کی ضرورت تھی، امت کا درجہ بعد میں ہے، سلطنت کا درجہ اس کے بھی بعد میں ہے، اور معاشرے کا درجہ اس کے بھی بعد میں ہے، لیکن پہلے مسئلہ یہ تھا کہ دین محفوظ رہ جائے، اپنے صحیح عقائد کے ساتھ اور اپنی صحیح دعوت کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کا کلام محفوظ رہ جائے، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو، تو یہ مزاج حضرت ابوبکر صدیق کا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے — یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں: "ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ" [سورۃ الأنعام: ۹۶] حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد امت کو یہ الہام فرمایا، امت کو یہ توفیق دی اور اس کے دل میں یہ ڈالا، جس میں حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سب سے آگے تھے کہ ان کو جانشین پیغمبر، خلیفۃ الرسول بنانا چاہیے۔

تو جب یہ ارتداد کی آگ پھیل رہی تھی، اور تین طرح کے لوگ تھے جیسے کہ امام خطابی نے 'معالم السنن' میں تجزیہ کیا ہے، کچھ تو وہ لوگ تھے جنھوں نے مطلق ارتداد اختیار کرلیا تھا، یعنی وہ کہتے تھے کہ ہم اس دین پر نہیں رہیں گے، ہم نے اس دین کا انکار کیا، کچھ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ کے منکر تھے، یعنی حکم زکوٰۃ کے، مسئلۂ زکوٰۃ کے، ان کا کہنا یہ تھا کہ زکوٰۃ کوئی چیز نہیں، ہم نہیں مانتے۔ کچھ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ کو مانتے تھے، لیکن یہ کہتے تھے کہ ہم بیت المال کو دینے کے

پابند نہیں، ہم یہیں وصول کریں گے، اور اپنی صوابدید کے مطابق یہیں صرف کریں گے۔

لیکن پہلا گروہ جو تھا، وہ تو کھلا ہوا مرتد تھا، اور وہ دوسری نبوتوں کے پرچم کے نیچے، مسیلمہ کذاب کے جھنڈے کے نیچے، یا سجاح کے جھنڈے کے نیچے، یا طلیحہ کے جھنڈے کے نیچے آ گیا تھا، اور دوسرا گروہ جو زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر تھا، اس نے بھی کفر اختیار کیا، لیکن تیسرا جو تھا وہ صرف یہ کہتا تھا کہ ہم زکوٰۃ کے قائل ہیں، زکوٰۃ ادا کریں گے، لیکن ہم اس کے پابند نہیں کہ ہم بیت المال کو دیں، تو حضرت ابوبکر صدیق اس وقت کھڑے ہوئے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو بکری کے گلے میں باندھنے والا رسی کا پھندا دیتا تھا، جو اس کا بھی انکار کرے گا میں اس سے بھی لڑوں گا، اور 'عناقاً' کا لفظ کہا کہ جو ایک بکری کے بچہ کو بھی نہیں دے گا، میں اس سے بھی لڑوں گا۔

کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت ہوسکتی ہے؟

اس وقت ان کی زبان سے ایک جملہ نکلا، وہ جملہ ایسا ہے کہ وہ ایک کتاب نہیں بلکہ ایک کتب خانہ پر بھی بھاری ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد اسلام کا بقا اور فرائض کا اپنی اصلی حالت پر رہنا، اور امت مسلمہ کا اس دین کو مضبوطی سے پکڑنا، ان سب میں اس جملہ کا اثر ہے، اس جملہ کا فیض اس میں شامل ہے، وہ کیا جملہ تھا؟ عربی کے تین چار لفظ ہیں، ایک جملہ ہے: 'أَيَنْقَصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ؟' کیا دین میں کوئی کتر بیونت ہوسکتی ہے اور ابوبکر زندہ ہے؟ کیا ابوبکر کی زندگی میں دین کی زنجیر، دین کی طلائی زنجیر کی کسی کڑی، اس کے کسی سرے کو کوئی توڑ سکتا ہے؟ کیا قرآن مجید کے کسی نقطے کا کوئی انکار کرسکتا ہے؟ میرے جیتے جی، میں زندہ ہوں اور میں یہ دیکھوں اپنی آنکھوں سے کہ دین کے ایک فرض کا انکار کیا جارہا ہے؟ ارتداد تو بڑی چیز ہے، ایک دین کے فرض کا، ایک نص قطعی، منصوص قطعی کا انکار کیا جارہا ہے؟ حیف ہے میری زندگی پر، یہ وہ کہہ سکتے ہیں، میں اس جملہ میں ان کے اس جذبہ کو ادا کررہا ہوں، کہ پھر میں کس لیے زندہ ہوں؟

غیرت صدیقی کے حاملین نے ہی اسلام کو ہر خطرے سے محفوظ رکھا ہے

یہ وہ جملہ تھا جس کو تاریخ میں انھیں حرفوں کے ساتھ محفوظ کردیا گیا، میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اپنے عربی زبان کے مطالعہ اور تاریخ کے مزاج کو سمجھنے کی بنا پر، کہ اس میں بھی ذرا بھی کتر بیونت نہیں ہوئی، اس جملہ میں بھی يُنْقَصُ کا عمل نہیں ہوا، یہ دین تو بڑی چیز ہے، لیکن حضرت ابوبکر کی زبان سے نکلا ہوا جو جملہ تھا، اس جملہ میں غیرت صدیقی ایسی تھی، اور اس جملہ میں دل کا درد ایسا تھا، اس جملہ میں سلاست اور عام لوگوں کے سمجھنے کی صلاحیت ایسی تھی کہ مؤرخین نے اس کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش نہیں کی، اور میں دعوی کے ساتھ حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآن و حدیث، صحیح حدیثوں کے علاوہ، قرآن تو قرآن اللہ کا کلام ہے، لیکن صحیح حدیثوں کے علاوہ اور احادیث کے دفتر کے علاوہ اگر کسی جملہ کے متعلق، کسی کے مقولے کے متعلق، کسی فانی انسان کے مقولے کے متعلق یہ ضمانت دی جاسکتی ہے، اور یہ ذمہ لیا جاسکتا ہے کہ وہ بالکل اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے، تو میں دعوی کے ساتھ کہوں گا کہ یہ جملہ ہے: 'أَيَنْقَصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ؟' کسی مؤرخ کے ضمیر نے اجازت نہیں دی اور اس پر اس جملہ کا جو اثر ہوا ہوگا، اس نے اس کو اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ اس کا اپنی زبان میں کسی دوسرے جملہ کے ذریعہ ترجمہ کرے، یہ وہ جملہ ہے جس نے انقلاب عظیم برپا کردیا، یہ جملہ غیرت صدیقی کا مظہر ہے، اور اسی غیرت صدیقی نے اسلام کو (مسلمانوں کو نہیں) اسلام کو اس وقت تک باقی رکھا ہے، اسلام کو باقی رکھنے والی سلطنتیں نہیں تھیں، اسلام کو باقی رکھنے والی وہ طویل وعریض حکمرانی اور شہنشاہیاں، جو خلافت اموی کی شکل میں، خلافت عباسی کی شکل میں اور سلجوقیوں کی سلطنت کی شکل میں اور ترکمانی عثمانیوں کی سلطنت کی شکل میں، اور مغلوں کی سلطنت کی شکل میں، اور آج یہ مصر وشام اور عراق، اور پھر یہاں تک کہ میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جزیرۃ العرب میں جب کبھی کوئی حکومت قائم ہوئی، جزیرۃ العرب کی نسبت کے باوجود بھی، یہ اُس کا فیض نہیں ہے، اس کا کارنامہ نہیں ہے کہ آج اسلام باقی ہے، یہ آج جو اسلام باقی ہے، اپنی اصلی شکل میں، وہ غیرت صدیقی کا نتیجہ ہے، اسی غیرت صدیقی کا حامل علماء کو ہونا چاہیے، اور اسی غیرت صدیقی کے حاملین نے اسلام کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھا ہے۔

میں آپ کے سامنے، علمائے کرام کے سامنے صرف تین واقعات کا انتخاب کرتا ہوں۔

امام احمد بن حنبلؒ اور فتنۂ خلق قرآن

ایک جب خلق قرآن کا فتنہ آیا اور مامون جیسے باجبروت بادشاہ نے یہ دعوی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت روئے زمین کی سب سے بڑی شہنشاہی (جسے امپائر کہتے ہیں)، وہ سلطنت عباسیہ

تھی، سلطنت عباسیہ کے مطلق العنان فرمانروا مامون نے عقیدۂ خلق قرآن کی سرپرستی کی، میں اس کی اس وقت تشریح نہیں کرسکتا، آپ بہت دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں، اور یہ ایک علمی بحث ہے، اس کو آپ تاریخ میں یا علم کلام کی کتابوں میں دیکھئے کہ اُس خلق قرآن کے عقیدہ کے کیا اثرات ہوسکتے تھے؟ ان میں سے ایک ادنیٰ اثر بتاتا ہوں جو سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک تھا، کہ یہ سمجھا جائے کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب مبارک پر معانی نازل ہوئے، لیکن آپ نے ان معانی کو، ان مضامین کو اپنے الفاظ میں ادا کیا، تو خلق قرآن سے یہ نتیجہ بھی نکل سکتا تھا، تو یہ بہت فلسفیانہ اور دقیق کلامی بحث تھی، مامون نے اس کی سرپرستی کی، اور صرف سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ وہ اس کا وکیل بن گیا، اس کو اپنی عزت اور سلطنت کی طاقت کا نشان بنادیا، علامت بنادیا کہ اگر وہ لوگ اس کو نہیں مانتے تو گویا سلطنت سے باغی ہیں، اور میرے نافرمان ہیں۔

اس وقت اللہ کا ایک بندہ جس کا نام احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) جو ائمۂ اربعہ میں سے ایک امام ہیں، اور اپنے زمانہ کے وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں، امام بخاری وغیرہ سب ان کے شاگرد ہیں، وہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس کا انکار کیا، انھوں نے کہا: نہیں، قرآن مجید اپنے الفاظ کے ساتھ، اپنے معانی کے ساتھ، اپنے لفظوں کے ساتھ، ایک ایک حرف کے ساتھ کلام الٰہی ہے، اسی طرح نازل ہوا لوح محفوظ سے، اسی طرح قلب اطہر پر نازل ہوا اور آپ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا، اور "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى" [سورۃ النجم: ۳-۴]۔

مامون کے بعد معتصم آیا، اس نے جلادوں کو بلایا اور ان جلادوں کو تیار کیا، اور امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ! اگر تم اس کے قائل ہوتے ہو تو میں ولی عہد کو ہٹا کر، ولی سلطنت کو ہٹا کر تم کو اپنے پہلو میں جگہ دوں گا، یہاں آ کر بیٹھو، اور اگر تم اس کے قائل نہیں ہوتے ہو تو یہ جلاد کھڑے ہیں، انھوں نے کہا: "أَعْطُونِي شَيْئاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ أَوْ سُنَّةِ رَسُولِهِ حَتَّى أَقُولَ بِهِ" میں کچھ نہیں جانتا، آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے سند لائیں، میں ابھی قائل ہوتا ہوں، اس نے جلاد کو حکم دیا، جلاد نے ایک کوڑا مارا، جلاد خود کہتا ہے کہ خدا کی قسم! اگر ہاتھی پر وہ کوڑا پڑتا تو چنگھاڑ مار کر کے بھاگتا، لیکن کوڑا کھانے کے بعد انھوں نے پھر کہا: "أَعْطُونِي شَيْئاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ أَوْ سُنَّةِ رَسُولِهِ حَتَّى أَقُولَ بِهِ"، دوسرے تازہ دم جلاد کو حکم ہوا، اس نے کوڑا مارا، اس طرح اتنے کوڑے ان کے لگائے گئے کہ وہ اٹھنے کے قابل نہیں تھے، بڑی مشکل سے سہارا دے کر ان کو سواری پر سوار کیا گیا، اور جیل بھیج دیا گیا، داستان لمبی ہے، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد واثق آیا، وہ اس میں ذرا نرم پڑا، اس کے بعد متوکل آیا، اس نے فرمان واپس لیا، اس وقت علماء میں یہ محضر پھرایا گیا تھا، اور چند علماء تھے امام احمد بن حنبل کے ہم مسلک اور ہم مزاج ان کے طریقہ پر، جنھوں نے محضر پر دستخط نہیں کیے، بہت سے علماء نے دستخط کردیے، لیکن فتنۂ خلق قرآن فرو ہوا اور ایسا فرو ہوا کہ صرف تاریخ کی کتابوں کے اندر، اوراق کے اندر دفن ہوکر رہ گیا، اگر ہم ہی لوگ نہ بتائیں، اگر میں ہی آپ سے ذکر نہ کرتا، میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس پورے مجمع میں شاید یہی علمائے کرام جو یہاں اسٹیج پر رونق افروز ہیں، یہ فتنۂ خلق قرآن سے واقف ہیں، اس اصطلاح سے، اس کے معانی سمجھتے ہیں، پورے مجمع میں شاید دس آدمی بھی نہیں ملیں جو خلق قرآن کیا ہوتا ہے، اور فتنۂ خلق قرآن کیا تھا، اور کب ہوا تھا، یہ اس کو داستان پارینہ بنانے والا، اس کو کتابوں میں دفن کردینے والا، اس کی دعوت کو دنیا میں قیامت تک کے لیے- میں دعوی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں- مٹادینے والا، یعنی اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اور کتنے ہی فتنے آئیں، خلق قرآن کا فتنہ اب دنیا میں زندہ نہیں ہوگا، یہ کارنامہ امام احمد بن حنبلؒ کا تھا، جس کے لیے اس زمانہ کے لوگوں نے کہا کہ: أَبُوبَكْرٍ يَوْمَ الرِّدَّةِ وَ أَحْمَدُبْنُ حَنبَلٍ يَوْمَ الْمِحْنَةِ، یہ دو بہت بڑے دین کے محافظ تھے اور انھوں نے آخری درجہ کی قربانی دی، اور آخری درجہ کی خدمت کی، حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فتنۂ ارتداد کے مقابلہ میں اور امام احمد بن حنبل نے فتنۂ خلق قرآن کے مقابلہ میں، تو وہ ایک خلیفۃ الرسول کی، ایک صدیق اکبر کی غیرت تھی، وہ ان کی شان اور ان کی سطح کے مطابق تھی، اور یہ ایک عالم دین کی غیرت تھی اور ایک محدث کی غیرت تھی، لیکن دونوں میں غیرت تھی، اس غیرت نے یہ پورا جو ایک جال پھیلا ہوا تھا، اور ہم آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ کیا تزلزل تھا بغداد کی مجلسوں میں، بغداد کی محفلوں میں، گھروں میں، درس کے حلقوں میں، جہاں پڑھے لکھے آدمی جمع ہوں وہاں، کوئی محفل شاید خالی ہوتی ہو اس پر تبصرہ کرنے سے، اور سب لرزہ براندام تھے، جو اہل غیرت تھے، جو دین کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، وہ لرزہ براندام تھے کہ کیا ہوتا ہے؟ اور جو اس کے داعی تھے، وہ بھی متفکر تھے، ایک عالم کی غیرت نے، ایک عالم کی استقامت نے اس فتنہ کا خاتمہ کردیا۔

تاتاریوں کا قبول اسلام

پھر میں تیسری چیز کا ذکر کرتا ہوں، تاتاریوں

کا جب حملہ ہوا، تاتاریوں کے حملہ کا آپ اس وقت اندازہ نہیں کرسکتے۔ میں صرف ایک بات کہتا ہوں کہ تاتاری چین سے نکلے، اور وہ چینی ترکستان میں اور مشرقی ایشیا میں پھیل گئے، یہ ترکستان جو آج روس کے ماتحت ہے، پہلے اس میں پھیل گئے، اور سمرقند و بخارا ان کا نشانہ بنا، لیکن ان کے فتنہ کی ہولناکی کا یہ حال تھا کہ یوروپین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ انگلستان کے ساحل پر مچھلی کا شکار کرنے والے مچھیرے جن کا ذریعۂ معاش یہی تھا، ماہی گیری تھی، وہ کئی ہفتے تک تاتاریوں کے ڈر سے نہیں نکلے کہ کہیں تاتاری یہاں نہ آجائیں۔ جو دنیا کے نقشہ پر نظر رکھتے ہیں، جغرافیہ سے واقف ہیں، کہاں یہ چین، کہاں یہ ترکستان اور ایشیا کا یہ مشرقی کنارہ، اور کہاں انگلستان کا وہ ساحل، لیکن ایسی ہولناکی تھی، ایسی دہشت پھیلی ہوئی تھی کہ وہ ہمت نہیں کرتے تھے، اور پھر اس زمانہ کی ایک مثل تھی، یہ آج تک عربی کی کتابوں میں محفوظ چلی آرہی ہے: "إِذَا قِيلَ لَكَ إِنَّ التَّتَرَ انْهَزَمُوا فَلَا تُصَدِّقْ" ہر بات مان لینا، ہر ممکن الوقوع واقعہ پیش آسکتا ہے، لیکن کوئی تم سے کہے، کیسا ہی سچا آدمی کہے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی، اس پر یقین نہ کرنا، تاتاری شکست کھانے والے ہیں ہی نہیں، تاتاری اور شکست! ناممکن ہے، دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں، وہ تاتاری کہ جن کا حال یہ تھا کہ ایک عورت چلی جاتی تھی سیکڑوں کے مجمع میں، اور مارنا شروع کرتی تھی، لوگ گردنیں جھکا دیتے تھے، پھر ان میں سے کوئی پکار کر کہتا کہ ارے! یہ عورت ہے، یہ تو خاتون ہے، تب لوگ کچھ سنبھلتے۔

اور یہ سب تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ بعض اوقات ایک تاتاری ایک مسلمان کے پاس سے گزرا، مسلمان اس زمانے کے سپہ گری سے واقف ہوتے تھے، ہمارے آپ کی طرح نہیں تھے، وہ اسلحہ بھی رکھتے تھے، وہ اپنا دفاع بھی کرسکتے تھے، ایک تاتاری ایک مسلمان کے پاس سے گزرا، اس سے کہا: دیکھو بھائی! میرے پاس اس وقت تلوار نہیں، اتفاق سے کوئی چھری چاقو نہیں، تم اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ، میں چھری چاقو لے کر آتا ہوں، تمہیں ذبح کروں گا، مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ اسی طرح سے دم بخود پڑا رہتا تھا، حرکت نہیں کرتا تھا اپنے قتل کے انتظار میں، یعنی بھاگ سکتا تھا، کہیں منہ چھپا سکتا تھا، درخت پر چڑھ سکتا تھا، ہمت نہیں تھی، یہ حالت تھی تاتاریوں کی کہ وہ ناقابل شکست سمجھے جاتے تھے، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسلام کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

آرنلڈ نے اپنی تاریخ ’Preaching of Islam‘ میں صاف کہا ہے کہ کوئی دور سے دور کی پیشین گوئی بھی، ناقابل قیاس سے ناقابل قیاس بات بھی اس سے بڑھ کر نہیں تھی کہ تاتاری مسلمان ہوجائیں گے، سب کچھ ہوسکتے تھے، مسلمان نہیں ہوسکتے تھے، مسلمان ان کے نزدیک ایسے ذلیل تھے کہ اس وقت کی جو تصویریں ملی ہیں جو ماسکو اور لیننگراڈ کے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں، ان میں دکھایا گیا ہے کہ گھوڑے کی دم سے ایک مسلمان کی ڈاڑھی بندھی ہوئی ہے، ایک مسلمان عالم کی ڈاڑھی بندھی ہوئی ہے اور وہ اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا چلا جارہا ہے، اور وہ مسلمان اس کے ساتھ جارہا ہے، اس کا کام تمام ہوگیا، یہ تصویریں ملی ہیں۔

تو آرنلڈ نے لکھا ہے کہ ہر چیز کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی، لیکن اس کی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی تھی کہ تاتاری اسلام قبول کریں گے، یہاں تک کہ اس نے لکھا ہے کہ اگر کچھ قیاس کہا جاسکتا تھا تو اتنا کہ تاتاری عیسائی ہوجائیں گے، اس لیے کہ ان کے محلوں میں، محل سراؤں میں مسیحی بیگمات تھیں، جو حسین وجمیل بھی ہوتی ہیں، جن کو انگلستان سے یا کہیں سے وہ لائے تھے، تو اگر وہ دین قبول کرتے تو عام طور سے اپنی بیویوں کے اثر سے، حرام سراؤں کے اثر سے، لوگ دین بھی بدل دیتے ہیں، اور اپنا تمدن بھی بدل دیتے ہیں، سب کچھ بدل دیتے ہیں، اس نے کہا کہ لیکن اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اسلام قبول کریں گے، میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جاسکتا، لیکن تاریخ نے یہ شہادت دی اور جیسا کہ آرنلڈ نے لکھا ہے کہ اسلام اپنے خاکستر سے بلند ہوا، اسلام جو خاکستر کے نیچے تھا، یعنی جل کر اور بجھ کر راکھ کے نیچے ہوگیا تھا، اس نے سر نکالا، سر اٹھایا، اور اس نے تاتاریوں کو مسلمان کرلیا، اور فاتح تاتاری اسلام کے مفتوح بن گئے، اور مفتوح مسلمانوں نے تاتاری فاتحوں کو اسلام میں کلمہ پڑھایا، اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔

یہ کس کا کام تھا؟ یہ صوفیائے کرام کا کام تھا، یہ ان باعزیمت مسلمان وزراء کا کام تھا، اور داعیان اسلام کا کام تھا جو خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے تھے، اور تاتاریوں کو تبلیغ اسلام کرتے تھے، میں صرف ایک واقعہ سنا دیتا ہوں کہ ہمارے لیے بڑی عبرت کا واقعہ ہے، کہ ایران میں تاتاریوں کی جو شاخ تھی، تغلق تیمور اس کا ولی عہد سلطنت تھا، اور تاتاریوں کی ایک شاخ بغداد میں تھی، اور ایک بہت بڑی شاخ ایران میں تھی، جو ایران وترکستان تک پھیلی ہوئی تھی، تو تغلق تیمور شکار کے لیے نکلا، اور شکاریوں میں کچھ توہمات ہوتے ہیں، آپ حضرات جانتے ہیں، جو شکار کھیلتے ہیں، ان میں سے ایک توہم یہ تھا کہ ہماری شکارگاہ میں ایرانی نہ آنے پائے، نہیں تو شکار نہیں

ملے گا، ہم جب شکار کھیلنے نکلتے تو ہمارے زمانہ میں یہ تھا کہ چھری کا کوئی نام نہ لے، چاقو کا کوئی نام نہ لے، ورنہ شکار نہیں ملے گا، جمعرات کو شکار نہیں ملے گا، اور کئی ایسی چیزیں تھیں، یہ سب وہمی باتیں تھیں، لیکن تھیں، تو ان تاتاریوں میں یہ تھا کہ ایرانی سب سے زیادہ ذلیل ہوتے ہیں، اور منحوس ہوتے ہیں، اگر ایرانی کہیں سے آ گیا تو شکار نہیں ملے گا، اللہ کو کچھ اور کرنا مقصود تھا، کچھ اور دکھانا تھا، شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جارہے تھے، شہزادے کی شکار گاہ راستہ میں پڑ رہی تھی، ان کو خبر نہیں تھی، وہاں اتفاق سے کوئی پہرہ نہیں تھا، پہرہ دار بھی کہیں کھانے پینے کے لے ہٹ جاتے ہیں، غفلت برتتے ہیں، آج بھی ہوتا ہے پہلے بھی ہوتا تھا، تو وہاں کوئی پہرہ دار نہیں تھا، وہ اندر آ گئے، وہ بڑھتے چلے آئے، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہرہ دار تھا، کہا کون؟ ایرانی؟ کہا: ہاں، اس کو پکڑا اور شہزادے کے پاس لے گیا، کہ دیکھئے ایک بدنصیب ایرانی یہاں آ گیا، اور شہزادے کو سخت طیش آیا کہ ساری محنت برباد ہوئی، سب پر پانی پھر گیا، یہ منحوس کہاں سے یہاں آ پڑا، اور اب شکار نہیں ملے گا، اس زمانے میں امراء کے پاس، بادشاہ کے پاس کتا ہوا ہی کرتا تھا، یہ واقعات مسٹر آرنلڈ نے بھی Preaching of Islam میں لکھا ہے، اور اس سے بہتر انداز میں ترکی اور فارسی کتابوں میں ہے، جن سے میں نے اخذ کیا ہے، وہ میں آپ کو سناتا ہوں، جو ہماری فارسی کی قدیم کتابوں میں ہے کہ کتا اس کے پاس تھا، اسے غصہ میں کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے کہا کہ تم اچھے ہو کہ یہ کتا اچھا ہے؟ انھوں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا (اور بالکل الہامی جواب تھا، اللہ نے الہام فرمایا) کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، کہا: کیوں ابھی فیصلہ نہیں ہوسکتا؟ یہ کتا ہے، تم ایرانی ہو، تو یا یہ کہو کہ میں افضل ہوں، میں بہتر ہوں، تلوار تیار ہے گردن اڑانے کے لیے، یا یہ کہو کہ شہزادے کا کتا مجھ سے بہتر، بھلا میں شہزادے کے کتے کے مرتبہ کو کیا پا سکتا ہوں؟ انھوں نے کہا: میں ابھی نہیں کہہ سکتا، پوچھا: کب کہو گے؟ کہا: اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں افضل ہوں، اگر ایمان پر میرا خاتمہ نہ ہوا تو یہ کتا افضل ہے۔ بس اس کے دل پر ایک چوٹ لگی، پوچھا: ایمان کسے کہتے ہیں؟ کہا کہ ایمان یہ ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے، اس دنیا کو پیدا کرنے والے کو جانے اور اس کو یہ سمجھے کہ وہ اکیلا ہے، اس دنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے، اس کے پیغمبروں کو پہچانے، اور آخری رسول محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہچانے، اور آخرت کو مانے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا ہے، اور حساب دینا ہے، اس نے سنا، ہونے والی بات یہ کہ بس اس کے دل پر ایک اثر پیدا ہوا، اس نے کہا: اچھا، اس وقت تو آپ چلے جائیے، اور پھر اشارہ کیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے، لیکن اگر آپ یہ سنیں کہ تغلق تیمور جانشین ہوگیا اور اس کی تاج پوشی ہوگئی تو مجھ سے ملئے گا ضرور۔

اب وہ دن گننے لگے کہ کب وہ مبارک گھڑی آتی ہے کہ تغلق تیمور بادشاہ ہوتا ہے، اور میں اس کے پاس جاتا ہوں، اس کے دل پر اثر ضرور ہوگیا ہے، ایمان کی قیمت اس کے دل میں پیدا ہوگئی ہے، میں اس کی اور تشریح کروں گا، اور کلمہ پڑھاؤں گا، لیکن ان کا وقت آ گیا، تو انھوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ بیٹے، میرے فرزند! میری قسمت میں نہیں تھا کہ اتنی بڑی سعادت حاصل کروں، شاید خدا نے یہ سعادت تیری قسمت میں لکھی ہو، دیکھو جب سننا کہ تغلق تیمور بادشاہ ہوا اور اس کی تاج پوشی ہوگئی تو جانا اور میری بات یاد دلانا، چنانچہ وہ وقت آیا اور اللہ کو منظور تھا، وہ وقت آیا تو وہ گئے، اب ان کو وہاں کون جانے دیتا، ایسے کپڑے تھے ان کے اور پھر ایرانی اور باہر کے، باہر انھوں نے ایک درخت کے نیچے اپنا مصلی بچھایا، اور اذان دینے لگے، فجر کی اذان جب انھوں نے دی تو اللہ کو منظور تھا شہزادے کی آنکھ کھل گئی، حالانکہ شہزادے کیسی گہری نیند سوتے ہیں، اور کن محل سراؤں میں اور کن حفاظتوں میں سوتے ہیں، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، کہا: یہ کیا بات ہے؟ یہ صدائے بے ہنگام کیا ہے؟ یہ کون صدا لگاتا ہے؟ کہا گیا: ایک مجذوب سا شخص ہے، دیوانہ آدمی ہے، ایک درخت کے نیچے کچھ بچھائے ہوئے کچھ پڑھتا ہے، کچھ جھکتا ہے، اٹھتا ہے، اور یہ آواز دیتا ہے، کہا: اس کو بلاؤ، بلایا، تو کہا: بھئی! تم کیا کہتے ہو؟ تم کون ہو؟ کہا: آپ کو شاید یاد ہو کہ شیخ جمال الدین ایک مرتبہ آپ کی شکار گاہ میں آ گئے تھے اور آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ تم بہتر ہو یا کتا بہتر ہے؟ تو انھوں نے کہا تھا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، اگر میرا ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں بہتر ہوں، نہیں تو یہ کتا مجھ سے افضل ہے، تو میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں کہ ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا، یعنی اس کا فیصلہ ہوگیا، اس نے کہا: میں کلمہ پڑھتا ہوں، اسی وقت کلمہ پڑھا، اور اس کے بعد وزیر اعظم کو بلایا، اور کہا کہ دیکھو میں نے تو فیصلہ کرلیا، میں اسلام قبول کرتا ہوں، تم اپنے متعلق سوچو، اس نے کہا کہ جہاں پناہ! میں تو بہت عرصہ سے مسلمان ہوں، آپ کے ڈر سے نہیں ظاہر کرتا تھا، بس جب بادشاہ اور وزیر اعظم مسلمان ہوجائیں تو پھر کیا، جس طرح لڑی ٹوٹتی ہے، جس طرح کوئی بند ٹوٹ جاتا ہے اور سیلاب آتا ہے، اس طرح سے پوری کی پوری تیموری شاخ

نے جو ایران اور ترکستان میں تھی، سب کے سب نے اسلام قبول کیا۔

ایک تاریخی حقیقت

اور آپ کو معلوم ہے کہ تاریخ کی حقیقتوں میں سے یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کی تین قوموں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا ہے، پہلے عرب کہ عرب کلیۃً سو فیصدی مسلمان ہوگئے، اور اس کے بعد یہ تاتاری اور عثمانی ترک، انھوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا اور پھر کوئی ان میں سے کافر نہیں رہا، یا پھر افغانی، تو یہ پوری ایرانی شاخ مسلمان ہوئی، اور عراق کی تاتاری شاخ وہاں کے ایک مسلمان، نیک، صالح اور نہایت ہوش مند وزیر اعظم کی کوشش سے مسلمان ہوئے، پوری شاخ مسلمان ہوگئی، اور اقبال کا یہ شعر کہ:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

یہ کس نے کیا؟ یہ اس وقت کے داعیان اسلام کی عزیمت نے، ان کے توکل علی اللہ نے، ان کے اس فیصلہ نے کہ نہیں یہ نہیں ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ ہم تاتاریوں کے رحم وکرم پر رہیں، اور تاتاری اسلام کی دولت سے محروم رہیں، اور ہماری جان کی صرف امان ہو، اور ہم کھاتے پیتے رہیں، اور یہ ہم پر حکومت کریں اور یہ کافر دنیا سے جائیں، یہ چند باخدا اہل دل جن میں سے صرف ایک کا میں نے نام لیا ہے، کتنے اللہ کے بندے ہیں، لیکن تاتاریوں کو جن لوگوں نے اسلام پر آمادہ کیا، جن کی وجہ سے وہ اسلام لائے، ان کا اخلاص اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان کے نام بھی تاریخ میں محفوظ نہیں رہے، انھوں نے اپنے ناموں کو چھپایا، یہ آخری درجہ کا اخلاص تھا۔

یہ تین واقعے ہیں جو عزیمت اور وہی غیرت صدیقی ’أَيَنْقُصُ الدِّيْنُ وَ أَنَا حَيٌّ؟‘ کا نتیجہ ہیں، اللہ کے ایک دو چار دس بندوں نے اس زمانہ میں جن کی تعداد یقیناً آج ہمارے فضلائے مدارس سے اور چوٹی کے علماء سے کہیں کم تھی، یعنی ہم اس کو نہیں کہہ سکتے کہ ایک اور دس کی نسبت تھی، بلکہ ایک اور سو کی نسبت ہوگی، تعداد میں اور زبانوں کے جاننے میں، اور تفہیم کے طریقوں میں ماہر ہونے میں، اور نشر واشاعت کے وسائل کے مہیا ہونے میں، اور ایک کتب خانہ کی موجودگی اور فراہمی میں ان اللہ کے بندوں کو آج کے فضلائے مدارس سے کوئی نسبت نہیں تھی، انھوں نے تاتاری جیسی قوم کو جنھوں نے عالم اسلام کو پامال کرکے، تہس نہس کرکے رکھ دیا تھا، اور شہر کے شہر، خوارزم اور سمرقند جیسے شہر کھنڈر بنا کر رکھ دیے تھے اور انسانوں کے سروں کے مینارے بنا دیے تھے، ان کو جن لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی اور ان کو مسلمان بنایا، ان کی تعداد، ان کے وسائل، ان کے اثرات، اور ان کی مدد کرنے والی چیزیں بہت کم تھیں، اور آج کے زمانے میں آزادی کی جو سہولت حاصل ہے، آج ہر ایک کو اپنی بات کہنے کی جو آزادی ہے، اور آج دوسرے کو مشورہ دینے کی جو آزادی ہے، وہ اس وقت بالکل نہیں تھی، خاص طور پر جب کہ مسلمان اس درجہ مغلوب اور بے بس ہوگئے تھے، یہ تیسری مثال ہے۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

صرف صورتِ اسلام نجات بخش نہیں!

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ایسا شخص جس کی کذب بیانی کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، کہتا ہے کہ دشمنوں کی مسلح فوج فلاں قوم پر شب خون مارنے والی ہے، یہ سنتے ہی اس قوم کے عقل مند اپنی محافظت میں لگ جاتے ہیں اور اس بلا کو دفع کرنے کی فکر کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خبر دینے والا جھوٹ بولنے کا عادی ہے، مگر ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جہاں خطرے کا وہم بھی ہو وہاں عقل مندوں پر احتراز لازم ہے، لیکن مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری تاکید کے ساتھ عذاب اخروی سے خبردار کیا ہے، اس کے باوجود کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو اس کو دفع کرنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ اس کو دفع کرنے کی تدبیر بھی مخبر صادق سے معلوم ہو چکی ہے، پس یہ کیسا ایمان ہے کہ سچے کی خبر جھوٹے کی خبر کے برابر بھی اعتبار نہیں رکھتی۔

یقین حاصل کرنا چاہیے کہ صرف صورت اسلام نجات بخش نہیں، یقین کہاں ہے، ظن بھی نہیں، بلکہ وہم بھی نہیں ہے، کیونکہ عقل مند خطرے کے موقع پر وہم کا بھی اعتبار کرتے ہیں، اسی طرح اللہ نے کلام مجید میں فرمایا ہے: ”وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ“ [البقرہ:۲/۹۶] (اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔ اس کے باوجود لوگ برے اعمال میں مشغول ہیں، اگر ان کو معلوم ہو کہ کوئی حقیر شخص بھی ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو یہ ہرگز عمل شنیع اس کی نظر کے سامنے نہیں کرتے، اس کا سبب دو امر سے خالی نہیں، اللہ کی خبر کو باور نہیں کرتے، یا اللہ کی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے، اس قسم کا کردار ایمان کی علامت ہے یا کفر کی نشانی؟

☆☆☆

طاعت وعبدیت

رب کی بندگی اور دعا قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

قرآن مجید میں مختلف انداز اور مختلف موقعوں پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ کائنات ارضی و سماوی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ رب العالمین کا پیدا کیا ہوا ہے، اور وہی تنہا سب کا مالک و پروردگار اور لائق عبادت ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور جو کچھ ہوتا ہے وہ کائنات کی بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے طے کردہ ہے، اور وہ سب اس کے علم وارادہ کے تحت ہی عمل میں آتا ہے، کوئی بھی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، ایسی نہیں کہ وہ خود بخود ہو جاتی ہو، اور قرآن مجید میں مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ نے بے سبب نہیں طے کیا اور بنایا، بلکہ اس میں ہر ایک کے پیچھے مقصد ہے، اور انسان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مقصد کو سمجھے اور اپنے کو اس کے مطابق عمل کرنے کا پابند بنائے، اور اس کام کے لیے انسان کو دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں خصوصی طور پر ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ اس زمین پر اپنی زندگی اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گذارنے کے ساتھ ساتھ اس زمین پر منتظم کی حیثیت سے اپنے خالق و مالک کے نائب کے طور پر عملدرآمد کرے، اور اس کام کے سلسلہ میں اس کو زندگی گذارنے اور مقصد کے مطابق عمل کرنے کے لیے جو علم مطلوب ہے، اس کے وسائل مہیا کر دیے گئے۔

اس سلسلہ میں اس کو دو طرح کی معلومات کی ضرورت تھی، ایک وہ جن کی ضرورت زندگی گزارنے کے لیے مطلوب ہیں ان کو انسان اپنے غور وفکر اور تحقیق و تجربہ سے حاصل کر سکتا ہے، ان معلومات کا حصول انسان کی کوشش پر چھوڑ دیا گیا ہے، اور اس کے حصول کی صلاحیت اور اس کے مطابق عقل و سمجھ کی صلاحیت دے دی گئی، علم کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی صلاحیت کے دائرہ سے اوپر کی ہے، اس کو غیب سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ انسانی علم کے دائرہ میں نہیں آتی، اس کو آسمانی پیغام اور تعلیم الٰہی کے ذریعہ سے انسان کو بتایا گیا ہے، اور وہ اس عالم سے تعلق رکھتی ہیں، جو انسان کے نظر سے مخفی ہے، اور اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتابوں میں اور اللہ کے مقرر کردہ رسولوں اور فرشتوں کے ذریعہ سے انسان کو بتائی گئی ہیں، ان میں انسان کے پیدا کیے جانے کا مقصد اور پیدا کرنے والے کی عظمت اور احسان کو سمجھنے اور اس کے مطابق اس کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا، اور یہ بات واضح کر دی گئی ہے، کہ اس کو پیدا کرنے والے کی مرضی اور حکم کو ماننے پر بہترین نعمتیں عطا کی جائیں گی، اور ان کے خلاف کرنے پر سخت ترین سزائیں دی جائیں گی کہ بے حد و بے حساب احسانات کے بعد بھی اس کی نافرمانی ہوئی۔

لیکن یہ نعمتیں اور یہ سزا انسان کی مختصر زندگی میں نہیں دی جائیں گی، بلکہ اس مختصر زندگی میں عمل کے لحاظ سے جو جیسا ثابت ہوا ہے دوبارہ زندگی دے کر اس کو اس کے عمل پر جزا یا سزا ملے گی، اس بات کو ماننے اور اس کو اپنے عمل میں لانے کی کوشش کا حکم دیا گیا ہے، قرآن مجید میں آیا ہے:

"تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ" [سورہ ملک: ۱-۲] (وہ خدا بڑی عالی شان ہے جس کے قبضہ میں بڑی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے)۔

لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اس کی زندگی کے حالات میں اپنے رب کے احسانات وعظمت کو ماننے کا اظہار ہو اور چونکہ کائنات میں سب اسی کے حکم سے ہوتا ہے اور ہر چیز کا اعلیٰ اختیار اسی کے پاس ہے، لہٰذا اس سے اپنے صلاح و فلاح کی درخواست بھی کرتے رہنا چاہیے یہ درخواست دعا کہلاتی ہے، قرآن مجید میں دعا کے نمونے بھی دیے گئے ہیں، ان نمونوں سے فیض حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے، اس کی پہلی مثال قرآن مجید کی پہلی سورت 'سورہ فاتحہ' ہے جو انتہائی مختصر لیکن انتہائی جامع ہے، اس کے شروع میں اللہ کی عظمت اور اس کے برتر مقام اور خوبیوں کا اعتراف کیا گیا، پھر اس سے اپنے لیے خیر کی اور بہتری کی درخواست کی گئی ہے، اور یہ سب بات سات آیتوں میں بہت جامع طریقہ سے سمو دی گئی ہے۔

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" (شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جس کی رحمت

فراواں اور جس کا کرم دائمی ہے، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے، جو بدلے کے دن کا مالک ہے، بیشک ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں، آپ ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمادیجیے، ان لوگوں کے راستے کی طرف جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غضب ہوا اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ)۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور نصیحت کے لیے جو نبی بھیجے ان کی زندگیوں کے مؤثر حالات اور طریقہ کار کو واضح انداز میں بتایا گیا، حضرت آدمؑ پہلے انسان اور پہلے نبی ہوئے، ان کا تذکرہ کئی جگہ کیا گیا تاکہ انسان کو جو اہمیت دی گئی اس کا پتہ چلے، ان سے اپنے رب کے حکم کے سلسلہ میں ایک بھول ہوگئی تھی، جس کی انہوں نے معافی مانگی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی غلطی اور ان کے معافی مانگنے کا ذکر ان کے الفاظ میں کیا ہے کہ انہوں نے بھول سے غلطی کی، پھر معافی مانگی۔

"وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَـٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ، فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَـٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ، وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ، فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ، قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ، قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ، قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ" [سورۃ الاعراف، ۱۹-۲۵] (اور (ہم نے حکم دیا کہ) اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، پھر جس جگہ سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ، اور اس درخت کے پاس مت جاؤ، ورنہ تم دونوں بھی ظلم کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے، پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کردے، اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں کیا، مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ کہیں زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ، اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ یقین جانئے کہ میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں، سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا، پس ان دونوں نے جب درخت کو چکھا تو دونوں کے پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہوگیا، اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑ جوڑ رکھنے لگے اور ان کو ان کے رب نے پکارا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے، دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے، اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک، اور فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہیں مرنا ہے)۔

پھر ان کے بعد آنے والی نسلوں میں حضرت نوح علیہ السلام نبی ہوئے، انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغام کو بہت خوبی سے انسانوں تک پہنچایا، اس کے ساتھ ایک موقع پر اپنے ایک نالائق اور سخت نافرمان بیٹے کی سفارش پیش کی کہ اسے معاف کردیا جائے، اللہ نے ان کو بتایا، کہ برے بیٹے کو بیٹا سمجھنا ہی صحیح نہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے غلطی تسلیم کی، جس کی معافی چاہی، دونوں باتوں کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

"وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ، قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ، قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ" [سورۃ ہود، ۴۵-۴۷] (اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ بھی بالکل سچا ہے اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے، اللہ نے فرمایا: اے نوح! یہ تمہارے گھر والوں ہی میں سے نہیں، یہ ایک تباہ کار شخص ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں) نادان نہ بن جاؤ، نوح بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کا کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو اور اگر تو

میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آجاؤں گا)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے محبوب ترین نبی تھے، اور ان کو اللہ نے نبیوں پر فوقیت دی، ان کو جتنے عمل بتائے گئے، سب میں اپنے رب کی وفاداری اور اطاعت کے نمونے پیش کیے، اس میں ان کی دعائیں بھی ہیں، جو مختلف انسانی کیفیات کا پتہ دیتی ہیں۔

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَـذَا الْبَلَدَ آمِناً وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الأَصْنَامَ، رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ، رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ الصَّلاَةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ، رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللّهِ مِن شَيْءٍ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاء، الْحَمْدُ لِلّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاء، رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلاَةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاء، رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَاب" [سورۃ ابراھیم، ۳۵-۴۱] (اور جب ابراہیم نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو یعنی مکہ کو جہاں کے بے آب وگیاہ اور غیر آباد حصہ زمین ہوتے ہوئے اپنے شیر خوار بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ لے جا کر چھوڑ آئے تھے، امن والا بنا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے، اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے (یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کے لیے اختیار کیے گئے دوسرے معبودوں نے) بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، پس میری توحید واطاعت الٰہی کی بات ماننے والا میرا ہے اور جو میری یہ بات نہ مانے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے، اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا بسایا ہے، اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ ان کی طرف جھکے رہیں، اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں، اے ہمارے پروردگار آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے جو ہم اپنے دل میں رکھیں، اور جو ظاہر کردیں، اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں، تمام تعریف خدا کے لیے ہے جس نے مجھکو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (دو بیٹے) عطا فرمائے، حقیقت میں میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے، اے میرے رب مجھ کو بھی نماز کا اہتمام کرنے والا رکھیے اور میری اولاد میں بھی، اے ہمارے رب اور میری یہ دعا قبول کیجیے اور اے ہمارے رب میری مغفرت کردیجیے اور میرے ماں باپ کی اور کل مومنین کی بھی حساب قائم کرنے کے دن)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جو برگزیدہ نبی تھے، ان سے بھی ایک بشری غلطی ہوگئی تھی، ایک برے آدمی کو جو واقعی برا تھا، اس کو جوش میں آکر قتل کردیا، اس پر انہوں نے معافی مانگی اور دعا کی۔

"قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ، قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيراً لِّلْمُجْرِمِينَ" [سورۃ قصص: ۱۶-۱۷] (عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا ہے، آپ معاف کردیجیے، سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، بلاشبہ وہ بڑا غفور رحیم ہے، موسیٰ نے (یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا)۔

پھر ان کو اپنے وطن سے نکل کر غیر علاقے میں جانا پڑا، وہ ان کی بے بسی کی کیفیت تھی، اس کا اظہار انہوں نے دعا کے ذریعہ سے کیا، اس کا بھی نمونہ بیان کیا گیا:

"رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ" [سورہ قصص: ۲۴] (پھر موسیٰ نے) دعا کی اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ پر بھیج دیں اس کا (سخت) حاجتمند ہوں)۔

اسی طرح فرعون کے دربار میں جانے کا جب حکم ملا، تو اس وقت کی دعا بھی مذکور ہے۔

"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي، يَفْقَهُوا قَوْلِي، وَاجْعَل لِّي وَزِيراً مِّنْ أَهْلِي، هَارُونَ أَخِي، اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي، وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي، كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيراً، وَنَذْكُرَكَ كَثِيراً، إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيراً" [سورۃ طٰہٰ: ۲۵-۳۵] (عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ یعنی حوصلہ فراخ کردیجیے اور میرا یہ کام آسان فرمادیجیے اور میری زبان پر سے لکنت کی بستگی ہٹا دیجیے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے واسطہ میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کردیجیے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں، ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کردیجیے اور ان کو میرے اس کام میں شریک کردیجیے تاکہ ہم دونوں آپ کی کثرت سے پاکی بیان کریں اور آپ کا خوب

کثرت سے ذکر کریں، بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں)۔

اللہ کے ایک نبی حضرت یونس تھے، جو اللہ کا وعدہ پورا ہونے میں تاخیر سے بہت متاثر ہوئے، اور اس غمزدہ کیفیت میں اپنے علاقے سے دوسرے علاقے میں چلے گئے، اس پر اللہ کی طرف سے کہا گیا:

"وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ" [سورہ انبیاء:۸۷] (اور مچھلی والے پیغمبر یعنی یونس کا تذکرہ کیجیے جبکہ وہ اپنی قوم سے جبکہ وہ ایمان نہ لائے خفا ہو کر چل دیے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر اس چلے جانے میں کوئی داروگیر نہ کریں گے)۔

پھر انہوں نے معافی مانگی اور دعا کی۔

"فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ" [سورۃ الأنبياء:۸۷-۸۸] (پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ الٰہی آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سب نقائص سے پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دیا اور ہم اسی طرح اور ایمان والوں کو بھی کرب وبلا سے نجات دیا کرتے ہیں)۔

اللہ نے ان کو معافی دی، اور ان کو نبی کا مقام دیا۔

اللہ کے نبیوں میں ایک جلیل القدر نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، ان کو نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی انعام کے طور پر ملی تھی، ان کے سلسلے میں بھی کئی دعائیں بیان کی گئی ہیں، جو انہوں نے اپنے حالات کے لحاظ سے مانگی۔

"قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكاً لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ" [سورۃ ص:۳۵] (دعا مانگی کہ اے میرے رب پچھلا قصور معاف کر اور آئندہ کے لیے مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں)۔

"وَنُوحاً إِذْ نَادَى مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ" [سورۃ الأنبياء:۷۶] (اور نوح کا تذکرہ کیجیے جبکہ انہوں نے اس سے پہلے دعا کی، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اور ان کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی)۔

"وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فاستجبنا له فكشفنا ما به من ضُرٍّ" [سورۃ الأنبياء:۸۳] (اور ایوب کا تذکرہ کیجیے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں، ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا)۔

"وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْداً وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ. فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ" [سورۃ الأنبياء، ۸۹-۹۰] (اور زکریا کا تذکرہ کیجیے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں، سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو یحیی (فرزند) عطا فرمایا اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو (اولاد کے) قابل کر دیا)۔

یہ دعائیں اور دیگر کئی نبیوں اور اشخاص کی دعائیں قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں، اس طرح یہ تلقین کی گئی کہ یہ سارے معاملات تمہارے خالق و مالک کی طرف سے ہوتے ہیں، جب ضرورت پڑے تو اسی سے مانگو اور اسی سے التجا کرو، لیکن مانگنے میں جن آداب کی ضرورت ہے ان کا پورا لحاظ رکھو، اس کی شان ربوبیت اور اپنی عاجزی اور بندگی و بے بسی کو پیش نظر رکھو، اور ایسی احتیاط رکھو کہ تم سے بے خیالی میں کوئی ایسا طرز ظاہر نہ ہو کہ اس کی شان ربوبیت اور بندگی کے لحاظ سے ہٹا ہوا ہو، اس پر قرآن مجید میں اللہ نے وعدہ فرمایا کہ ہم بندوں کی دعا سنتے ہیں، اور پورا بھی کرتے ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ میرے نام اور صفات میں سے جس نام کے حوالے سے جس صفت کے حوالے سے پکاروگے، تمہارا وہ کام انجام پائے گا۔

"وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا" [سورۃ الاعراف:۱۸۰] (اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ کو پکارا کرو)۔

قرآن مجید میں مذکور دیگر دعائیں بطور نمونہ ذیل میں دی جاتی ہے، ان دعاؤں سے تا قیامت ایمان والے لوگ فیض حاصل کریں گے۔

"رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ" [سورۃ البقرۃ:۲۸۶] (اے ہمارے رب ہم پر داروگیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں، یا چوک جائیں، اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگذر کیجیے ہم سے اور بخش دیجیے ہم کو اور رحم کیجیے ہم پر، آپ ہمارے کارساز ہیں، سو آپ

ہم کو کافروں پر غالب کیجیے)۔

"رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" [سورۃ آل عمران:۱۵-۱۶] (اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے، سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجیے)۔

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ" [سورۃ آل عمران:۸] (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت دے چکے ہیں، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائیے، بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں)۔

اسی کے ساتھ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں بھی مؤثر دعائیں ملتی ہیں، جو قرآن مجید کی دعاؤں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور وحی کے ذریعہ بنائے ہوئے اسلوب میں ملتی ہے، وہ دعائیں بھی قرآن میں دی ہوئی دعاؤں کا پرتو ہیں اور ان میں پوری طاقت و تاثیر ہے اور یہ سب ایمان والوں کے لیے نمونہ ہیں، کہ جس پر جیسے حالات ہوں ان حالات کے لحاظ سے اپنے خالق سے مانگے، اس طرح درخواست پیش کرنے سے قبولیت کا وعدہ مالک کی طرف سے کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی دو دعائیں پیش ہیں، ایک دعا طائف کی ہے، جو انتہائی تکلیف، دل شکنی اور بے بسی کی کیفیت سے گزرنے پر انہوں نے کی، اس دعا میں اپنے پروردگار کی ربوبیت اور اپنی بے بسی و بندگی دونوں کا اس طرح لحاظ رکھا گیا، کہ کسی چیز سے اس کے خلوص پر اثر نہیں پڑتا۔

" اللّٰهم إليك أشكو ضعف قوتي و قلة حيلتي، و هواني على الناس، يا أرحم الراحمين أنت رب المستضعفين، و أنت ربي، إلى من تكلني، إلى بعيد يتجهمني، أم الى عدو ملكته أمري، إن لم يكن بك غضب على فلا أبالي، غير أن عافيتك هي أوسع لي، أعوذ بنور وجهك الذي أشرقت له الظلمات، و صلح عليه أمر الدنيا، و الآخرة، من أن ينزل بي غضبك، أو يحل على سخطك، لك العتبى، حتى ترضى، و لا حول و لا قوة إلا بالله" (الٰہی تیرے ہی سامنے اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی طرف سے تحقیر کا برتاؤ کیے جانے سے اپنی پریشانی بیان کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے، اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کن کے حوالہ کر رہا ہے؟ کیا کسی ایسے بیگانہ کے جو میرے ساتھ ترش روئی اختیار کرے، یا کسی دشمن کے جس کو مجھ پر پورا قابو حاصل ہو گیا ہو، لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، لیکن تیری طرف سے مجھ کو عافیت ملے تو میرے لیے زیادہ آسانی ہے، میں تیری ذات کے اس نور کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں، اور جس سے دین و دنیا کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں، اس بات کے مقابلہ میں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے، یا تیری ناراضی مجھ پر وارد ہو، مجھے تو تیری ہی رضامندی حاصل کرنے کی برابر فکر کرتے رہنا ہے حتی کہ تو راضی رہے، اس کے لئے کوشش کرتا ہوں، ساری حفاظت اور طاقت تیرے ہی پاس ہے)۔

دوسری دعا حج کے موقع پر منیٰ میں مانگی تھی، جہاں بندگی کے اظہار کے لیے حج کی عبادت میں اس کے خاص موقع پر آپ نے کی، اس میں بھی اپنی بندگی اور حاجت مندی کا اتنا مؤثر و جامع انداز اختیار کیا کہ اس سے بہتر و جامع انداز نہیں ہو سکتا۔

"اللّٰهم إنك تسمع كلامي، وترى مكاني، وتعلم سري، وعلانيتي ولا يخفى عليك شيء من أمري أنا البائس الفقير، المستغيث المستجير، الوجل المشفق، المقر المعترف بذنوبه أسألك مسألة المسكين، وأبتهل إليك ابتهال المذنب الذليل، وأدعوك دعاء الخائف الضرير دعاء من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عيناه وذل جسده، ورغم لك أنفه، اللّٰهم لا تجعلني بدعائك شقيا، وكن بي رؤفا رحيماً يا خير المسئولين ويا خير المعطين" [المعجم الکبیر: ج۱۱/ ص۱۷۴] (اللہ تو ہی میری بات سنتا ہے، میرے مقام کو دیکھتا ہے، میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں، میں محتاج مدد اور پناہ کا طالب، ڈرنے والا اور گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں، تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں اور ذلیل و گنہگار کی طرح عاجزی کرتا ہوں، ڈرنے والے کی طرح تجھے پکارتا ہوں، جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہے، آنکھیں بہ رہی ہیں، جسم جھکا ہوا ہے اور ناک خاک آلودہ ہے، مجھے دعا کے بعد محروم نہ فرما، اور میرے ساتھ شفقت و رحمت کا معاملہ فرما، اے وہ بہتر و برتر ذات جس سے ہی اپنی حاجت مانگی جاتی ہے اور جو بہترین دینے والا ہے)۔

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

اسلامی تشخص اور اقدار کی حفاظت

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

اس وقت عالمی سطح پر اسلامی تشخصات و اقدار کو ختم کرنے کی خفیہ اور اعلانیہ کوششیں جاری ہیں، مسلمان دنیا کے کسی بھی کوشے میں ہوں، ان کے پاس ایک عقیدہ اور اس کے مطابق عمل ہے، اور وہ ناقابل تبدیل اسلامی شعائر کے حامل ہیں، انھیں خصوصیات کی وجہ سے وہ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں، چونکہ وہ ایک صاحب پیغام قوم ہیں، اور جہاں بھی رہتے ہیں اپنی ثقافت اور تہذیب کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں، اس لیے اغیار کی خواہش ہے کہ اگر وہ عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں تو کوئی بات نہیں، لیکن اگر اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ باقی رہیں گے تو یہ ناقابل برداشت عمل ہوگا۔

اسی احساس کی وجہ سے عالمی طاقتیں اسلام، اور مسلمانوں سے متعلق سارے آثار خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عام تہذیبی زندگی سے ہو، مٹانے کے در پہ ہیں، انہیں کسی طرح یہ منظور نہیں کہ کوئی بھی اسلامی نقش مادی نظریات اور افکار کے مقابلے میں پروان چڑھے، اور عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنے، کیونکہ یہ ان کی تہذیب کے لیے خطرہ، اور ان کے قیادت کے لیے ایک رکاوٹ ہے۔

ہمارے معاشرہ میں متعدد ایسے گروہ ہیں، جو اس سلسلہ میں سرگرم ہیں اور وہ بھی اہل مغرب کا راگ الاپ رہے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے اسلامی شریعت کا مطالعہ کیا، پھر اس کے درپے ہو گئے، اور اس کے لیے ایسے وسائل استعمال کیے جو مسلمانوں کو تہذیبی خصوصیات سے عاری کر کے جانوروں کی صفوں میں کھڑا کرتے ہیں، اُس وقت ان کے لیے معاصی کا ارتکاب کرنا آسان ہو جاتا ہے، بلکہ وہ حرام میں ملوث ہونا اور باطل کو کمک پہونچانا ان کا صبح و شام کا مشغلہ ہوتا ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق ایسے عناصر دشمنان اسلام کے پاس گئے، اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان سے کہا کہ اسلام میں بہت سے کمزور پہلو ہیں، انھیں میں سے ایک یہ کہ کعبہ ایک ہندو عبادت گاہ ہے، اور یہ تین سو ساٹھ بتوں سے آباد تھا، جن کا انتساب تمام انسانی قبائل کی طرف تھا، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو کعبہ سے باہر پھینکا، بلکہ ان کو پاش پاش کر دیا، ان کو اس وقت طاقت حاصل تھی، اس لیے ایسا کر ناممکن ہوا، لیکن ان کے اور ان کے دوسرے اعزہ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہوئے، جن میں سر فہرست ابوجہل اور ابولہب تھے، یہ بتوں کے محافظ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے مخالف تھے، اور محمدی دین تو ایسے امور کی رہنمائی کرتا ہے، جس سے آپس میں تفریق اور اختلاف و انتشار کو ہوا ملتی ہے۔

ایسی ہی بے بنیاد باتوں اور خرافات پر دشمنان اسلام کی دشمنی کی عمارت قائم ہے، اور یہی باتیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی بتاتے ہیں، اور ان سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی سطح سے کفر وشرک کی طرف لوگوں کو لائیں، اور ان کے لیے ماحول اور حالات کو سازگار بنائیں۔

یہ شر پسند عناصر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی ہیبت کو نکالنے اور اسلامی شریعت کو بے وزن ثابت کرنے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، چنانچہ وہ ایمان کے بنیادی امور کی توہین کر کے قوموں اور جماعتوں کے درمیان ان کو موضوع بحث بناتے ہیں، یہ کوشش محدود سطح سے لے کر عالمی سطح پر جاری ہے، اور اہل ہوش وخرد پر مخفی نہیں ہے۔

یورپ کے مختلف ممالک میں یہ رجحان بڑی سطح پر عام ہو گیا ہے، وہاں حلال وحرام کی تمیز تقریباً مفقود ہے، اور سماج میں ایسی آزادی ہے، جو جانوروں کی آزادی سے بھی ماوراء ہے، نوجوان لڑکیوں کا لڑکوں سے بے محابا اختلاط، بازاروں اور دکانوں میں ان کے ذریعہ سامانوں کی خرید وفروخت، ہوٹلوں اور دیگر مقامات پر ان کی بآسانی دستیابی، شراب اور نشہ آور چیزوں کا کھلم کھلا استعمال، حرام مال کا حصول، سود کی ہر سطح پر تشہیر، یہ اور اس طرح کے دیگر امور نے بے حیائی کو معاشرہ میں ہوا دی ہے، اور اسلامی تشخص کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اسلامی تشخص کے مخالفین نے علماء اور مشائخ کو بھی اپنے دام فریب میں لینا چاہا، اور اس کے لیے مختلف قسم کے پروگرام مرتب کیے، ان کو حرام غذا کھلائی، اس طرح ان کی روحانیت کو متاثر کیا، اور عبادت کی لذت وحلاوت سے ان کو محروم

کر دیا، آج بھی یہ کوشش متعدد ناموں اور بینروں کے ذریعہ جاری ہے، اور مسلم معاشرہ میں باوزن اور معتبر اشخاص کو لبھانے اور ورغلانے کے لیے پر کشش عناوین کا استعمال کیا جارہا ہے، ضرورت ہے کہ باشعور طبقہ ان سازشوں کو سمجھے اور ان سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اسلام دین فطرت ہے، اور زندگی کے پہلوؤں پر محیط ہے، اللہ تعالی نے اس کو خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے پوری انسانیت کو عطا فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعہ سے دنیا میں قائم اختلافات، عداوتوں اور شکر رنجیوں کا خاتمہ کیا، اس دین نے دنیا کو امن دیا، انصاف دیا، سعادت عطا کی، اور اخلاق عالیہ کے زیور سے آراستہ کیا، اور مختصر مدت میں دنیا کے ایک بڑے رقبہ پر بغیر کسی خونریزی اور تشدد کے پھیل گیا، یہ اس کے اللہ تعالی کی طرف سے ہونے کا واضح ثبوت ہے، شروع ہی سے اس دین کو ایسے حاملین ملتے رہے، جو دین وشریعت کے ماہر اور دشمنوں کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھے، اس لیے انہوں نے اسلام کے آفاقی پیغام اور اس کی علمی، فکری اور انسانی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اور علمی تصنیفات کے ذریعہ اس حقیقت کو دنیا کے سامنے واضح کیا کہ اسلام کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں، بلکہ اللہ کا اتارا ہوا دین ہے، اس کی نگاہ میں امیر وغریب، شاہ وگدا سب برابر ہیں، ان کے درمیان اصل امتیاز طاعت و معصیت کی بنیاد پر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُوْلٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، وَحَسُنَ أُوْلٰئِكَ رَفِيْقاً" [النساء:٦٩] (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالی ان افراد کے ساتھ اس کو جمع فرمائیں گے، جن پر اس نے انعام کیا ہے: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور ان کی بہترین رفاقت ہے)۔

اسلام دشمن طاقتوں نے اس ربانی دین کو تشدد و دہشت گردی کا دین گردانا، اور اس کو اپنے لیے رکاوٹ تصور کیا، اور اس کو ازکار رفتہ (Out Of Date) شمار کیا، اور اس پروپیگنڈے کی ہر سطح پر اشاعت کی، اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ دین اسلام قتل و غارت گری پر ابھارتا ہے، اور فتنہ وفساد کا داعی ہے، انہوں نے اس نظریے کے حامل افراد بھی تیار کر دیے جو ان کے نظریات وافکار کی ترویج واشاعت میں سرگرم ہیں اور اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی میں کمیونزم کا نظریہ ایک مدت تک معاشی خوشحالی کا سبز باغ دکھاتا رہا، اور مساوات کا نعرہ لگا کر اپنی طرف مائل کرتا رہا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح ہو گئی اور وہ اپنی موت مر گیا، اور بری طرح ناکام ہوا، اس نظریہ میں اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قانون کی مخالفت تھی، اور اپنے نظریات کو خدا تصور کرنا تھا، ظاہر ہے کہ جب اللہ کے نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جائے گا تو ناکامی اور نامرادی مقدر بن جائے گی، مادی نظریات کے حاملین اپنے غلو پسند نظریات کی ناکامی کو ناکامی تصور نہیں کرتے بلکہ اس کی دوسری توجیہ کرتے ہیں، اور اس کے دوسرے اسباب ومحرکات تلاش کرتے ہیں۔

اس وقت دنیا کے سامنے ایک نیا نعرہ ہے، اس کے لگانے والے علم ودین کے حاملین ہیں، وہ ہے اسلام کا دفاع، اسلام کے تعلق سے دفاع کی تعبیر قابل غور ہے، دفاع اس کا کیا جاتا ہے، جس میں نقص یا زیادتی ہو، اسلام تو اللہ کا اتارا ہوا صاف ستھرا اور مکمل دین ہے، اس میں اس کا کوئی امکان ہی نہیں، اس وقت دفاع کی نہیں، تعارف کی ضرورت ہے، اور یہ ایسا جامع اور مرتب ہونا چاہیے کہ اس میں ساری تفصیلات آجائیں۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار ایسے مسائل ہیں، جن میں اسلام دشمن طاقتیں الجھا کر بنیادی امور سے ہماری توجہ پھیرنا چاہتی ہیں، اور اسلامی شریعت سے دور کرنا چاہتی ہیں، ایسے حالات میں اسلامی تشخص اور خصوصیات کو مکمل شکل میں اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ ان کے اندر وہ نور ہے جو ظلمتوں کو کافور اور تاریکی کو دور کر دیتا ہے: "أَوَمَنْ كَانَ مَيتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَّمْشِيْ بِهِ فِي النَّاسِ، كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا" (کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندگی دی، اور اس کو ایک نور عطا کی، جس سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے، جو تاریکی میں بھٹک رہا ہو) اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" [البینۃ:٥] (اور انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو خالص کر کے اور اسی کے لیے یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور یہی سیدھا دین ہے)۔

☆☆☆☆☆

صحبتے با اہل دل

انسان کی فضیلت علم سے وابستہ

مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے مجلسی افادات

ترتیب وپیشکش: محمد سلمان ندوی بجنوری

صحیح اور غلط علم کا نتیجہ

علم معلومات کا نام ہے، انسان جن باتوں سے واقف ہوجاتا ہے اور اس کی معلومات اس کو حاصل ہوجاتی ہیں تو وہ علم کہلاتا ہے، اگر آپ کو کہیں جانا ہے تو اس راستے کا علم ہونا ضروری ہے اگر آپ کو راستہ کا علم نہیں تو منزل تک نہیں پہنچ سکتے، اگر آپ کو راستہ کا علم ہے تو کسی بھی جگہ آپ جاسکتے ہیں، اس سے ہمیں علم کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہیے، کیونکہ اگر ہمیں راستے کا علم نہیں ہے یا ہمیں غلط راستہ بتادیا گیا، یا پتہ ہمیں غلط دے دیا گیا، تو ہم بھٹکتے ہی رہیں گے لیکن منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکیں گے، اسی معلومات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے درمیان تفریق کی ہے اور اہل علم کی اہمیت وفضیلت کو بتایا ہے، فرمایا: "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ "[سورہ زمر:۹] (آپ کہہ دیجیے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟ عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔

علم دو طرح کے ہیں

علم دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ علم جو انسان تجربات و مشاہدات اور جو بھی علم کے ذرائع ہیں ان سے حاصل کرتا ہے دوسرا وہ علم جو انسان کے دائرے سے باہر ہے، وہ علم غیب ہے، علم غیب کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی علوم پائے جاتے ہیں، وہ تمام علوم انسان حاصل کرسکتا ہے، لیکن علم غیب پر اس کی قدرت حاصل نہیں، علم غیب کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے: "إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"[سورہ لقمان:۳۴] (بلاشبہ قیامت کب قائم ہوگی، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا، اور کوئی نہیں جانتا کس سرزمین پر مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خوب باخبر ہے)۔

انسان کی فضیلت علم کی بنیاد پر ہے

دنیا کی سب سے قیمتی دولت علم ہے، علم ہی سے انسان کو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے، یہ بات ہمیں سمجھنی چاہیے کہ مال و دولت اور دنیا کی رنگارنگی، آسائش وزیبائش علم اور اہل علم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، علم دینی ہو یا دنیاوی کوئی بھی فائدہ سے خالی نہیں، یہ بات الگ ہے کہ دینی علم دنیا کے ساتھ آخرت میں بھی نفع بخش ہوتا ہے، لیکن دنیاوی علوم کو بھی اگر خدمت خلق کی نیت سے حاصل کیا جائے تو اس کا فائدہ آخرت میں بھی ملنا لازمی ہے، اس کے علاوہ علم کا اثر انسان کی شخصیت پر پڑتا ہے، اگر ایک جاہل اور عالم کو ایک ساتھ کھڑا کردیا جائے تو آپ آسانی سے دونوں میں فرق کرسکتے ہیں، ایسے انسان کا اسٹیٹس بلند ہوسکتا ہے ہے لیکن وہ اپنا طرز زندگی بدل سکتا ہے لیکن شخصیت میں نکھار بغیر ممکن نہیں، انسان اور علم سے آراستہ ہوجاتا ہے تو اس کی شخصیت میں اعتدال، شائستگی، خوش اخلاقی، تواضع وانکساری، حسن کلام، سنجیدگی اور متانت جیسی بلند صفات پیدا ہو جاتی ہیں، معاشرے میں اس کا مقام ومرتبہ بلند ہوجاتا ہے، لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے اور وہ اس کے فضل وکمال کے مختلف ہوتے ہیں جیسے صاحب علم صفات وکمالات میں بڑھتا ہے تو پھر لوگوں کے قلوب پر اس کی حکومت ہوتی ہے

معلوم ہوا کہ انسان کی فضیلت کا راز علم سے وابستگی ہے لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی زندگی اِس علم کے مطابق ہو جو اس نے حاصل کیا ہے، اگر اس کا علم اس کے عمل سے میل نہیں کھاتا تو اس کے علم کا کوئی فائدہ نہیں، حدیث شریف میں اس تعلق سے بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو سیکھا اس کو اپنی زندگی پر منطبق کیا، اگر طلبہ کو یہ معلوم ہوجائے کہ جو یہ پڑھ رہے ہیں اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا تو میرا خیال ہے کہ بہت کم لوگ علم کے لیے اپنے وقت کو فارغ کریں گے، ہمارے طلبہ کے ذہنوں میں ہی نہیں ہوتا کہ اس پر عمل بھی کرنا ہے، نہ اس بارے میں کبھی سوچتے ہیں، اس طرف بڑی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

حق و باطل

حیاتِ ابراہیمی اور موجودہ حالات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

’’میری نماز، میری عبادتیں، میرا جینا اور میرا مرنا یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام عالم کے پروردگار ہیں‘‘۔

قرآن مجید خدا کی کتاب ہے اور یہ کتاب قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے قرآن مجید میں جو مضامین آئے ہیں، ان کا تعلق ایمانیات سے ہو، انبیاء کے قصص و واقعات سے ہو، عملی زندگی کے احکام سے ہو، یا کائنات کے حقائق سے، وہ سب قیامت تک کے لیے نشانِ راہ ہیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف عہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیے جانے والے پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر رہی ہے، ان میں سے صرف چند پیغمبروں کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے اور ان میں بھی بعض ہی پیغمبر ہیں، جن کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، ان انبیاء کرام کا خصوصی طور پر ذکر اس بات کی علامت ہے کہ ان سے متعلق واقعات میں امت محمدیہ کے لیے خاص طور پر عبرت و موعظت کے پہلو موجود ہیں، جن انبیاء کے واقعات کو قرآن مجید میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ان میں ایک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں ۹۶ر بار آیا ہے اور رسول اللہ ا کے علاوہ انبیاء میں صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی ذات ہے، جن کے بارے میں قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ یہ امت کے لیے اسوہ ہیں: ”قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَه “ [الممتحنہ: ۴] گویا یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ مسلمان مستقبل میں جن حالات سے دو چار ہوں گے، ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ایک نقش راہ کا درجہ رکھے گی اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے میں اس امت کی فلاح و کامیابی مضمر ہوگی۔

اگر غور کیا جائے تو آج مسلمان جن حالات سے دو چار ہیں وہ حیات ابراہیمی سے بڑی مماثلت رکھتے ہیں، آج پوری دنیا میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام کے بجائے قومی روایات پر عمل کریں اور اپنے آپ کو اس تہذیب کے سانچہ میں ڈھال لیں جو آج پوری دنیا پر اپنا غاصبانہ قبضہ جمانا چاہ رہی ہے اور اس میں مسلمانوں کے سوا اور کسی کی مزاحمت در پیش نہیں ہے، عالمی سطح پر ان سے مطالبہ ہے کہ وہ مغربی تہذیب کو قبول کرلیں، شرافت و اخلاق اور حیا پر مبنی طریقۂ زندگی کو بنیاد پرستی اور قدامت پسندی کا نام دیا جارہا ہے، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی ابتدا یہیں سے ہوئی، عراق کا معاشرہ چاہتا تھا کہ وہ اُس مشرکانہ طریقۂ زندگی پر قانع ہوجائیں، جس میں سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش سے لے کر بے شمار چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی اور اس روایتی فکر کے خلاف بغاوت نہ کریں؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمیر نے اس کو قبول نہیں کیا کہ وہ توحید کے بجائے شرک پر قانع ہوجائیں، انہوں نے ستارہ پرستی، چاند پرستی، سورج پرستی اور بت پرستی کے خلاف پوری قوت اور دلیل کے ساتھ آواز اٹھائی، اس کا ردعمل یہ ہوا کہ پہلے آپ کو زندہ جلانے کی کوشش کی گئی، مگر جب اللہ کی طرف سے آپ کی حفاظت کے غیبی انتظام نے انہیں ناکام کردیا، تو آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا، یہاں تک کہ آپ کے بت گر والد نے بھی آپ کو سنگسار کردینے کی دھمکی دی: ”لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا“ [مریم: ۴۶] (یہ وہی رویہ ہے جو ہر عہد میں باطل کی طاقتوں نے حق اور سچائی کے خلاف استعمال کیا ہے، آج بھی مسلمانوں کو مختلف ملکوں میں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا جارہا ہے، فلسطین میں فلسطینی پناہ گزینوں کو خود ان کے وطن میں واپس آنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے، یہ قوم ابراہیمی کے اسی رویہ کا اعادہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق سے ہجرت کی تو راستہ میں مصر سے بھی گزرے، جہاں آپ کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی گئی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ فتنہ ٹل گیا، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شام پہنچے اور بڑھاپے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حکم ہوا کہ شیر خوار بیٹے اور نئی نویلی دلہن شہزادی مصر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو شام و فلسطین کے مرغزاروں کو چھوڑ کر مکہ کے بے آب و گیاہ صحرا میں پہنچادیا جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں بھی پورے اترے اور ان دونوں کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے، جہاں اس وقت پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں تھا، مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پرورش ہوئی اور جب انہوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور امتحان ہوا، جو آخری امتحان تھا؛ کہ اللہ کی رضا کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھینٹ چڑھادیا جائے، رضاء خداوندی کے طالب باپ اور وفا شعار بیٹے نے اس جاں گسل امتحان پر بھی لبیک کہا اور وہ قربانی پیش کی، جس کی محبت وجاں نثاری کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی:

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے، اگر اللہ چاہتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان آزمائشوں سے گزارے بغیر بھی وہ مقاصد حاصل ہوجاتے جو مقصود تھے؛ لیکن ایسا نہیں ہوا، آپ کو ابتلاؤں اور آزمائشوں کا سفر طے کرنا پڑا، یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ملتی ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید نے واضح طور پر اشارہ کیا ہے، اہل ایمان کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ وہ جب ایمان وہدایت سے بہرہ ور ہوچکے ہیں اور حق وراستی پر قائم ہیں تو وہ اس دنیا میں مشقتوں اور آزمائشوں میں کیوں مبتلا کیے جائیں گے؟ جیسے خدا نے ان کے لیے آخرت میں جنت بنائی ہے، اسی طرح وہ دنیا میں بھی راحت وآسائش کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا ہے:

''اور ہم تم لوگوں کو خوف، مال، جان اور پھلوں کے نقصان سے کچھ ضرور آزمائیں گے، (اس سلسلہ میں) آپ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادیں (جن کا حال یہ ہے کہ) جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ''ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف واپس ہونا ہے''۔ [البقرۃ:۱۵۵-۱۵۶]

اس آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے، جن کا ایمان بعد میں آنے والی امت سے یقیناً بڑھا ہوا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لیے پھولوں کی سیج بچھے گی؛ بلکہ پوری قوت کے ساتھ فرمایا گیا کہ ہم تمہیں ضرور ہی ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی میں تپائیں گے، یہ آزمائش بھوک اور فاقہ مستی کی بھی ہوگی، یعنی معاشی ناکہ بندی ہوگی، ملازمت کے دروازے بند کئے جائیں گے، تعلیمی پسماندگی سے بھی دوچار کیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ پسماندگی انسان کو معاشی زوال وانحطاط تک لے جاتی ہے، خوف ودہشت سے بھی آزمایا جائے گا، حکومتوں کا خوف، انٹلی جنس اور پولیس کا خوف، ظالمانہ قوانین کا خوف، انسانی حقوق سے محروم کئے جانے کا خوف، غرض طرح طرح کے خوف ودہشت سے مسلمانوں کو گزرنا پڑے گا، مال کا نقصان بھی برداشت کرنا ہوگا، تجارتوں اور کاروباروں پر حملے بھی ہوں گے، جان کا نقصان بھی اٹھانا ہوگا، اور مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہوگی، پھل کا بھی نقصان ہوگا، زمین کے پھل میں جیسے سیب اور آم اور چاول اور گیہوں داخل ہیں، اسی طرح پٹرول اور دوسرے معدنی ذخائر بھی شامل ہیں، آج حقیقی معنوں میں پٹرول کے ذخیرہ پر مغربی طاقتوں کا قبضہ ہے، مسلم ممالک کو زراعتی ٹیکنالوجی سے محروم رکھنا؛ بلکہ مختلف کیمیکل کے استعمال کے ذریعہ عالم اسلام کی زمینوں کو ناکارہ بنانا، یہ سب زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کو نقصان پہنچانا اور قرآن مجید کی زبان میں ''وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ'' ہے، غرض کہ آج پوری دنیا میں مسلمان جن مصیبتوں سے گزر رہے ہیں وہ باعث حیرت نہیں ہے اور قرآن مجید نے شروع ہی سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایسے واقعات پر مسلمانوں کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے موقع پر امت کو صبر کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، صبر سے مراد ثابت قدمی ہے، یعنی حالات کتنے بھی ناموافق ہوں اور کتنی بھی دشواریاں راہ حق میں آئیں، انسان باطل کی قوت کو دیکھ کر متزلزل نہ ہو، وہ حوصلہ نہ ہارے اور اللہ کے دین پر اس کے یقین میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ ہونے پائے؛ بلکہ وہ پوری طرح ثابت قدم رہے، قرآن مجید نے ایک اور موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب انہیں دشمن کی کثرت کا حوالہ دے کر خوف زدہ کرنے اور دہشت میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تو گھبرانے اور خوف کھانے کے بجائے ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے: ''وَمَازَادَهُمْ إِلَّا إِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا'' [الاحزاب:۲۲] پھر صبر کے اس مرحلہ میں مرد مومن اپنے درجہ ومقام کا اعلان کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف واپس جانا ہے، جس تمدن کی بنیاد عیش پرستی اور عشرت کوشی پر ہو، اور جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ہو، وہ بنیادی طور پر ''بے خدا تمدن'' ہوتا ہے، ایک ایسا تمدن جس میں خدا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی، جس میں انسان اپنے آپ کو خدا سے بھی آگے سمجھنے لگتا ہے، جس میں خدا کو چرچوں اور عبادت گاہوں تک محدود کردیا جاتا ہے، اور پوری دنیا کو انسان اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے؛ لیکن اسلام جس تمدن کی دعوت دیتا ہے، وہ ''باخدا تمدن'' ہے، جس میں انسان اپنی پوری زندگی کو اللہ کے حوالہ کردیتا ہے، اسی لیے قرآن دین حق پر ثابت قدم رہنے والوں کے طرز فکر کو بیان کرتا ہے

کہ وہ کہتے ہیں: " إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ " [البقرۃ: ۱۵۶] یعنی: ''ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہماری واپسی ہے'' یہ اس بات کا اعلان ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں، ہم خدا کی فرمانبرداری سے آزاد نہیں ہوسکتے، اور ہم ایسے تمدن کو قبول نہیں کرسکتے، جس میں خدا کو عبادت گاہ سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: " إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ " [الانعام: ۱۶۲] (میری نماز، میری عبادتیں، میرا جینا اور میرا مرنا یقیناً اللہ ہی کے لئے ہے، جو تمام عالم کے پروردگار ہیں)۔

ایک اور موقع پر حضرت ابراہیم نے ارشاد فرمایا: "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" [الانعام: ۷۹] (میں نے اپنا رُخ یکسو ہو کر اس خدا کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

حضرت ابراہیم کی سب سے بڑی خصوصیت اللہ سے تعلق اور خود سپردگی تھی، اور نمرودی معاشرہ میں یہی بات سب سے زیادہ ناقابل برداشت اور ناقابل عفو تھی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس فکر اور نظام حیات کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتے تھے، جس میں حقیقی خدا کا کوئی تصور نہ ہو، جس میں انسان مذہب واخلاق کی ہر طرح کی قید وبند سے آزاد ہو، جس میں مذہب ایک رسمی چیز ہو اور جس کا زندگی میں کوئی عمل دخل نہ ہو، جس میں انسان کی پیشانی اس کی مصنوعی دیویوں، دیوتاؤں، نیز لذتوں اور شہوتوں کے سامنے جھکا کرتی ہو، جس میں ایسی بے جان چیزوں کی پرستش کی جاتی ہو، جس سے نہ انسان کو ڈرنے کی ضرورت ہو اور نہ اس کے اعمال وافکار پر کوئی پابندی عائد ہو، آج بھی مسلمانوں سے نفرت و عناد اور انہیں بدنام ورسوا کرنے کی کوششوں کا اصل سبب یہی ہے کہ جس گھر میں سب لوگ بے لباس ہیں، یہ مذہب اور خدا پرستی کا لباس کیوں پہنے ہوئے ہے؟ یہ ہمارے بے خدا تمدن کے سامنے سر جھکانے کے بجائے خدا پرستی اور خدا ترسی کی بات کیوں کرتے ہیں؟ یہ آخرت کا نام لے کر ہماری خوش عیشیوں میں کیوں بھنگ ڈالتے ہیں؟ یہ مسجد اور نماز تک اپنے آپ کو محدود کرکے زندگی کے دوسرے مسائل میں مذہب سے کیوں آزادی حاصل نہیں کرتے اور انسان کی آزادی میں کیوں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں؟

یہ بنیادی فکری اختلاف ہے، جس نے خدا بیزار قوموں اور تہذیبوں کو اسلام کے خلاف آمادۂ پیکار کردیا ہے اور وہ اس کے بغیر راضی نہیں ہوسکتے کہ مسلمان اپنے تہذیبی اور مذہبی تشخص سے باز آکر اقوام مغرب کو اپنا قبلہ بنالیں:

" لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ "[البقرۃ: ۱۲۰]

اس لیے آج کے ماحول میں مسلمانوں کے لیے وہی اسوہ ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا، یعنی مشکلات پر صبر واستقامت اور ہر طرح کی مشکلات کو جھیلنے کے باوجود خدا کے تعلق پر کوئی آنچ نہیں آنے دینا، اگر مسلمان اسوۂ ابراہیمیؑ پر قائم رہیں، تو ان شاء اللہ وہ امتوں کی امامت سے سرفراز کیے جائیں گے اور مسلمانوں کو کتنا ہی بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کی جائے، خدا کی طرف سے ان کو عزت وسربلندی حاصل ہوگی، جیسا کہ خدا کا یہ وعدہ حضرت ابراہیم کے حق میں پورا ہوا: "قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا " [البقرۃ: ۱۲۴]۔

☆☆☆☆☆

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جلد ششم)

مرتب: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل صفحات: ۴۴۰ قیمت: ۳۵۰/روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

سراغِ زندگی

طالبانِ علومِ نبوت سے چند باتیں

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

دینی مدارس کا تعلیمی وتربیتی نظام دیگر تعلیمی نظاموں سے مختلف ہے، مدارس محض تعلیمی سرٹیفکٹ یا کاغذی سند دینے کے لیے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا یہ مقصد ہے، افسوس کی بات ہے کہ طلبہ نے مدارس کو بھی یونیورسٹیوں اور کالجوں کی طرح سمجھ لیا ہے، وہ دینی مدارس کا رخ اس نیت سے کرتے ہیں کہ ان کو سند حاصل ہوجائے گی اور دنیا کمانے میں سہولت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اب مدارس سے وہ خاطر خواہ نتائج نکلتے نظر نہیں آرہے جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے۔

مدرسہ کی راہ بڑی قربانی وجانفشانی چاہتی ہے، اگر کوئی شخص یہاں معاش کی نیت سے حاضر ہوتا ہے تو غلط ہے، بنیادی طور پر مدارس کے پیش نظر معاش نہیں بلکہ معاد ہوتا ہے، اس راہ کا مسافر کسی سے کچھ لینے والا نہیں، بلکہ کچھ دینے والا ہوتا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے دینی مدارس کو اسلام کے قلعے اور پاور ہاؤس بتایا ہے، جہاں سے پوری امت کو دین وشریعت کا نظام ملتا ہے، ضرورت ہے کہ مدرسہ کا ہر طالب علم اپنے ذہن ودماغ میں یہ بات نقش کرلے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ قربانی کا راستہ ہے، اگر مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد طالب علم کی نیت کچھ اور ہے تو خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خوب غور کرلے اور اپنے ارادہ وفیصلہ کو تبدیل کرلے۔

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ طلبہ مدارس میں ایک لمبی مدت گذار دیتے ہیں، مگر عام طور پر اپنے مقصد سے غافل ہوتے ہیں، ان کے سامنے کوئی متعین ہدف نہیں ہوتا اور بسا اوقات نیت بھی درست نہیں ہوتی، اگر بہت زیادہ کسی کے اندر دینی جذبہ ہے اور اس سے مدرسہ میں داخل ہونے کا مقصد معلوم کیا جائے تو وہ اتنا جواب دے دے گا کہ دین کی خدمت کرنا مقصود ہے، حالانکہ دین کی خدمت منزل مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود تو رضائے الٰہی کا حصول ہے، جس کے لیے یہ ساری محنتیں ہیں، دین کی خدمت تو رضائے الٰہی کے حصول کا ایک اہم وسیلہ ہے، مگر ہم لوگ وسیلہ ہی کو مقصود سمجھ لیتے ہیں۔

آج کل ایک عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس میں وابستہ ہونے والوں کی زندگی انتہائی پر مشقت ہوتی ہے اور انہیں حقیقی سکون نصیب نہیں ہوتا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر طالب علم صحیح نیت، خلوص، دینی جذبہ اور مقصد کی تعیین کے ساتھ محنت کرے تو تھوڑی مشکلات کے بعد آسانیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں اور فراوانی ہوتی چلی جاتی ہے، یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اگر جذبہ صادق ہو تو اللہ کی مدد ہوتی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا، جن لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ اللہ نے ان کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا اور انہوں نے بڑی مشقت بھری زندگی گذاری، درحقیقت وہ ایمان کے بلند مقام پر فائز تھے، ہمیں یہ درجہ کہاں حاصل ہے۔

زمانہ طالب علمی میں عموماً طلبہ کا کوئی خاص مقصد نہیں ہوتا، اسی لیے فراغت علمی کے بعد وہ بہت پریشان حال نظر آتے ہیں اور جہاں چار پیسے کا فائدہ نظر آتا ہے، وہیں چلے جاتے ہیں اور اگر معاشی حالات مضبوط نہیں ہوتے تو بعض اوقات یہ کہہ کر دنیا کمانے چلے جاتے ہیں کہ دو چار سال دولت کما کر اطمینان سے دین کی خدمت میں مصروف ہوجائیں گے، حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ آدمی دوبارہ صحیح سالم واپس آسکے۔

مشہور بات ہے کہ جو کمبل پکڑنے جاتا ہے تو کمبل اسی کو پکڑ لیتا ہے، اس کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو دوست دریا کے کنارے کھڑے نظارہ کر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک کمبل بہا چلا جا رہا ہے، ایک نے کہا تم یہیں رکو ہم اس کمبل کو لے کر آتے ہیں، اس نے دریا میں غوطہ مارا اور کمبل کے پاس پہنچا تو کمبل سے چمٹ کر رہ گیا، جب دوسرے دوست نے آواز لگائی تو جواب ملا کہ کمبل پکڑنے گئے تھے مگر کمبل نے ہم ہی کو پکڑ لیا، اس لیے کہ جس کو کمبل سمجھ رہے تھے وہ کمبل نہ تھا بلکہ ریچھ تھا، جس نے دبوچ لیا۔

زمانہ طالب علمی میں مقصد کی عدم تعیین، تربیت کا فقدان اور پختہ دینی مزاج کا نہ بننا طلبہ کے مستقبل پر بڑا اثر انداز ہوتا ہے، طالب علمی کے دور میں انہوں نے کتابوں کو اس انداز سے پڑھا ہوتا ہے کہ وہ صرف الفاظ سے واقف ہوجاتے ہیں، مگر الفاظ کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتے اور ان الفاظ کو سیکھ لینے کا ایک بڑا مقصد عام طور پر صرف ایک ڈگری کا حصول ہوتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ الفاظ میں پوشیدہ کیفیات کو محسوس کرنے کی کوشش کی جائے، جس طرح حروف سے لوگ عدد نکالتے ہیں اور ہر حرف کے پیچھے اس کا عدد پوشیدہ

ہوتا ہے اور اس کا ایک خاص مطلب ہوتا ہے، اسی طرح الفاظ کے پیچھے باطنی کیفیات پوشیدہ ہوتی ہیں، اگر کسی طالب علم کی وہاں تک رسائی ہوجائے تو اس میں کرنٹ دوڑ جاتا ہے، ان الفاظ کا حال ویسا ہی ہے جیسے بجلی کے تار کا، جس کے اندر بجلی کا کرنٹ دوڑتا ہے اور باہر پلاسٹک کا خول چڑھا ہوتا ہے، جس کے سبب ہاتھ کو کرنٹ نہیں لگتا۔

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح پھل کا چھلکا سخت اور کڑوا ہوتا ہے اور اگر کوئی اس چھلکے کو اتار کر پھل کھائے تو مزہ آتا ہے، ٹھیک اسی طرح اگر کوئی طالب علم محنت کرے اور الفاظ کے اندر پوشیدہ کیفیات کی لذت حاصل کرلے تو وہ بھی اصل مغز تک پہنچ جاتا ہے، جس کے بعد کسی چیز میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔

الفاظ میں مضمر کیفیات تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ طالب علم فرائض کی پابندی کرے، سنن ومستحبات اور نوافل و دعاؤں کا اہتمام کرے، تلاوت قرآن مجید کا معمول بنائے، معاصی و منکرات سے بچے، لغویات سے دور رہے، سیرت کا مطالعہ کرے اور بزرگوں کی سوانح پڑھے، اپنے وقت کی حفاظت کرے اور منزل مقصود کو پیش نظر رکھے، اس کے حصول کی کوشش کرے، ان کاموں سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے اور روحانی ترقی ہوتی ہے، جس طرح بیٹری پر کاربن لگ جاتا ہے تو کرنٹ کی سپلائی کم ہوجاتی ہے اور اگر زیادہ لگ جائے تو سپلائی بالکل بند ہوجاتی ہے، ٹھیک اسی طرح گناہوں کی وجہ سے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے اور سپلائی بند ہوجاتی ہے، دل کی صفائی کی جائے اس سے ایمانی کرنٹ دوڑ جاتا ہے اور کاموں میں قوت پیدا ہوتی ہے اور منزل کے مقصود کا حصول آسان ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

شکست خوردگی کا اعتراف وعلامت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

جب آدمی دلیل کے میدان میں شکست کھا جاتا ہے، اس وقت وہ ہٹ دھرمی پر اتر تا ہے، جیسے ہمارا یہاں مثال مشہور ہے کہ: ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے''۔ جب اس کو کہنے کے لیے کچھ نہیں ملتا تو وہ گالی گلوچ پر اتر آتا ہے اور سب وشتم کرنے لگتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور بعد کے زمانے میں قوت اور شوکت عطا فرمائی تو جو لوگ اسلام کے آگے ہر طرح سے مغلوب ہو گئے تھے، دلیل سے بھی مغلوب اور قوت سے مغلوب تو اس وقت وہ لوگ اوچھی حرکتوں پر اور اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تھے، اور برا بھلا کہنا شروع کر دیتے تھے۔

آج بھی جدید تہذیب اور جدید ثقافت کے دعویدار جنہوں نے اپنی تہذیب اور تمدن کا ڈھنڈورا پیٹا ہے، جنہوں نے یہ ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ ہم انسانوں کے حقوق کے علمبردار ہیں، ان میں اور ان بد باطن کافروں میں آج ذرہ برابر فرق نہیں رہا، آج ان کے پاس بھی اسلام کے خلاف کوئی دلیل نہیں، دلیل کے میدان میں یہ شکست کھا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اسلام کی حقانیت ساری دنیا میں اپنا لوہا منوا رہی ہے، ان دشمنانِ اسلام کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے چاند پر تھوکنے کی کوشش کریں، یہی وطیرہ آج انہوں نے اپنا رکھا ہے۔

یہ درحقیقت ان کی پستی کی، ان کی شکست کی، ان کی مغلوبیت کی دلیل ہے کہ ان کے پاس دلیل کے میدان میں پیش کرنے کے لیے کچھ نہیں رہا ہے اس وجہ سے اپنا غصہ، اپنی حسد اور اپنی جلن کا مظاہرہ ان اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعہ کر رہے ہیں کہ کبھی معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیوں کرنی شروع کر دیں، کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاذ اللہ کارٹون بنانا شروع کر دیے۔

یہ ساری باتیں درحقیقت دلیل کے میدان میں شکست خوردگی کی علامت ہیں، جس کے پاس دلیل ہوتی ہے وہ کبھی گالی نہیں دیتا، وہ کبھی دوسروں کو طعنے نہیں دیتا، وہ دلیل سے بات کرتا ہے اور دلیل کے ذریعہ اپنی بات دوسروں کو سمجھاتا ہے اور دلیل کے ذریعہ دوسروں کی بات کی تردید کرتا ہے، لیکن جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی، وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتا ہے، دراصل یہ تو خود ان کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل کا کوئی جواب نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ اپنے غصے کی آگ کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں، چنانچہ یہ کر رہے ہیں، حقیقت میں یہ شکست خوردگی کا اعتراف ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ''لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من نفسہ ووالدہ والناس أجمعین'' کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک میں اس کو اپنی جان سے، اپنے والدین سے، اپنی اولاد سے اور ساری دنیا کے انسانوں سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

☆☆☆

دین فطرت

نعمت اسلام پر شکر ادا کیجیے!

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

۱۱۸۰ر صفحات پر مشتمل ایک کتاب ہے، نام ''شہاب نامہ'' ہے، مصنف اس کے قدرت اللہ شہاب ہیں، کتاب دلچسپ بھی ہے اور پُر از معلومات بھی، واقعات اتنے عجیب کہ عقل حیران رہ جائے، اسلوب اتنا دلکش کہ ختم کیے بغیر چین نہ آئے، ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب آپ کی نظر سے بھی گزری ہو، اگر گزری ہے تو پھر کتاب کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اگر نہیں گزری تو پھر آپ سے گزارش ہے کہ کچھ وقت ضرور اس کتاب کے مطالعہ کے لیے نکال لیں، بہت سی غلط فہمیاں آپ کی بھی دور ہوجائیں گی اور بعض وہ حقیقتیں سامنے آجائیں گی جو شاید ابھی تک آپ کے سامنے نہ آسکی ہوں۔

یہ کتاب اچانک مجھے کیوں یاد آگئی؟ یہ سوال یقیناً آپ کے ذہن میں پیدا ہورہا ہوگا، تو سنیے، ابھی چند سال قبل بچپن کے میرے ایک دوست محمد انکشاف گرمی کی چھٹیاں گزارنے کے لیے دبئی سے ہندوستان آئے، ملاقات ہوئی، باتیں ہوئیں، اور باتوں ہی باتوں میں ذکر چھڑ گیا گوری چمڑی والوں کا، ان کی تہذیب وتمدن کا، نظم وضبط کا، اخلاق وادب کا، ڈسپلن وشائستگی کا، محنت ولگن کا، پلاننگ اور طویل منصوبہ بندی کا، یہ الگ بات ہے کہ یہ سفید فام اپنی ذات میں کتنے ہی مہذب، متمدن، منصف مزاج اور بااخلاق کیوں نہ ہوں، مقصد ان کے سامنے ایک ہی ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہر حال میں، ہر طرح سے، ہر معاملہ میں، ہر سطح پر اپنی بالادستی قائم رکھی جائے، جس طرح جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز سمجھ لی جاتی ہے، اسی طرح مقصد براری میں ان کے یہاں سب کچھ حلال ہوجاتا ہے، تہذیب وتمدن، انصاف پسندی اور اخلاقی اقدار کو اپنے بنیادی نصب العین کے راستے میں وہ کبھی حائل ہونے نہیں دیتے، اس کی سب سے بڑی مثال عالم اسلام کی موجودہ صورت حال ہے، جہاں فتنہ کا ہر بیج اسی قوم کا بویا ہوا ہے، ایک مہذب قوم مقصد کے حصول کے لیے کتنی غیر مہذب ہوجاتی ہے، اس کا اندازہ ان ہی انگریزوں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے۔

خیر، باتوں ہی باتوں میں انکشاف نے ایک واقعہ سنایا اپنے ایک انگریز پڑوسی کا جس کو کسی ضرورت سے اپنی شرٹ ان کے سامنے اتارنی پڑی تھی، پھر جو ان صاحب کی کیفیت ہوئی وہ ذرا انہی کی زبانی سنئے:

شرٹ کا اترنا تھا کہ جسم پر جابجا میل کے دھبے دکھائی دیے، بغل کے الجھے ہوئے بال کچھ اس طرح دکھائی دے رہے تھے جیسے کہ چڑیوں کا کوئی ادھورا گھونسلہ، مجھے سخت حیرت ہوئی کہ صاف وشفاف کپڑوں میں ملبوس، سینٹ کی خوشبو میں بسا، صحت اور توانائی سے بھرپور یہ خوبصورت نوجوان اندر سے کتنا گندا ہے، میں نے اس سے بال نہ مونڈنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا! یہ تو نیچر (Nature) ہے، بال ہیں تو ان کو بڑھنا چاہیے، پھر اس نے تعجب سے پوچھا، کیا آپ (مسلمان) بغل کے بال مونڈتے ہیں؟ جی ہاں! میرا جواب سن کے اس کے چہرے پر تعجب کی لکیریں کچھ اور گہری ہوگئیں، اور وہ سوچ میں پڑ گیا، اس کی سوچ جتنی گہری ہوتی گئی اتنی ہی میری ندامت بڑھتی گئی، گندگی میں کچھ قصور اس کا تھا تو کچھ قصور میرا بھی تھا، میں نے اس کے سامنے اسلام کا وہ پہلو تو رکھا جو عبادات سے متعلق ہے اور وہ پہلو بالکل نظر انداز کردیا جس کا تعلق صفائی ستھرائی، طہارت اور پاکیزگی سے تھا، تبھی تو اس کو یہ سوال کرنے کی ضرورت پڑی، اور تبھی تو جواب سن کر اس کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا، کیوں کہ وہ قوم جس کے یہاں نجاست کا کوئی تصور نہیں، گندگی سے جیسے کوئی پرہیز نہیں، پانی کے استعمال کا جس کے یہاں کوئی موقع نہیں، اس کا غریب مسلمانوں کو ظاہری طور پر کچھ میلا دیکھ کر یہ تصور کرنا کہ اندر سے وہ اس سے بھی زیادہ گندے ہوں گے، بالکل بجا ہے، جس طرح انگریزوں کے چمکتے جوتے، چمکتی ٹائی، چمکتا کوٹ، چمکتی پتلون اور سینٹ کی مہک میں ہم اس طرح کھو جاتے ہیں کہ اس کے آگے کچھ سوچنا اور دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور ان کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر یہ رائے قائم کرلیتے ہیں کہ اگر کپڑے صاف ہیں تو جسم بھی ان کا صاف ہی ہوگا۔

یہ واقعہ سننا تھا کہ قدرت اللہ شہاب کی تصویر میری نگاہ میں گھوم گئی اور شہاب نامہ کے اوراق ایک ایک کرکے میری نظروں کے سامنے کھلنے لگے، قدرت اللہ شہاب نے اس قوم کو بہت قریب سے دیکھا اور ہر حال میں دیکھا، ناک سکیڑ کر دیکھا، منہ بنا کر دیکھا، ابکائی لے کر دیکھا لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ جیسا دیکھا ویسا ہی اپنے قاری کو دکھایا، ایک نمونہ ملاحظہ ہو؛ لیکن ذرا احتیاط کے ساتھ، دامن بچاکے، منہ پر ہاتھ رکھ کے۔

قدرت اللہ شہاب اپنے انگریز آفیسر سے پہلی ملاقات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''میں اس کے سامنے باادب بیٹھا ہوا تھا، وہ میرا نیا آفیسر تھا، جو ابھی حال ہی میں انگلینڈ سے ہندوستان آیا تھا، لیکن میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ وہ مجھ سے باتیں بھی کرتا جارہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان جمے میل کو انگلی سے نکال کر ان کی گولیاں بنا بنا کر اپنے منھ میں ڈالتا بھی جارہا ہے''۔

دوسرے آفیسر کا حال سنیے، وہ کہتے ہیں:

جب میں پہلے روز کیمپ میں حاضر ہوا، تو ٹریننگ کے ڈائیریکٹر مسٹر پینل (Mr. Pinnell) اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق کیمپ کی صفائی کا معائنہ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا، آفیسرز کے خیموں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد جب ہم ملازموں کے بیت الخلاء (Toilet) کے قریب پہنچے تو یکایک مسٹر پینل کے چہرے پر رونق آگئی، انہوں نے اپنی عینک اتار کر جیب میں رکھ لی، رومال سے اپنی گدلی گدلی آنکھوں کی نمی صاف کی، اور پھر جھک جھک کر بیت الخلاء کے قدمچوں میں ناک ڈال کر زور زور سے یوں سانس لینے لگے جیسے شکاری کتا جھاڑیوں میں چھپے ہوئے زخمی بٹیر کو سونگھ سونگھ کر تلاش کرتا ہے۔ ایک قدمچے پر پہنچ کر Mr. Pinnell رک گئے، اور مجھے بھی اس مقام مشام نواز کو سونگھنے کی دعوت دی۔ میں نے یوں ہی دو چار لمبے لمبے سانس لیے تو مسٹر پینل ناراض ہو گئے۔ انہوں نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر میرا سر جھکا دیا اور میری ناک عین قدمچے کے پاس لاکر مجھے زور سے سونگھنے کا حکم دیا۔

ابھی گھنٹے بھر پہلے آٹھ دس پُرخور ملازموں نے اس قدمچے پر اپنے صحت مند معدوں کو صاف کیا تھا، مہتر نے صفائی کے لیے فینائل چھڑک کر اس پر چونا ڈال دیا تھا۔ اس ملغوبے پر ناک لٹکا کے میں نے ایک طویل سانس کھینچا، تو عفونت کے پے در پے بھبھکوں سے میرا دماغ پھٹنے لگا، اور مجھے بے اختیار بڑے زور کی قے آگئی، قے کے کچھ چھینٹے Mr. Pinnell کے چمکیلے براؤن جوتوں پر بھی پڑے، انہوں نے مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھورا، اپنی ناک کو سکیڑا جو ہدہد کی چونچ کی طرح لمبی، نوکیلی اور ٹیڑھی تھی، اور اپنے ذہن میں مجھے آئی سی ایس (I.C.S) کے لیے قطعی غیر ناموزوں کھاتے میں ڈال دیا''۔

چلیے اب شہاب نامہ سے باہر نکلئے اور کھلی فضا میں کچھ دیر سانس لیجیے، متلی کا خطرہ ہو تو قے کرکے پیٹ کو کچھ ہلکا کر لیجیے، واقعات کا سلسلہ ابھی جاری ہے:

(Toilet) میں کموڈ (Commode) تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا، گھٹنوں کی بیماری، کمر کی تکلیف اور موٹاپے نے کموڈ کو مشرقی دنیا میں بھی متعارف کرادیا ہے، پاکی کا اہتمام کرنے والے اس کا استعمال تو کرتے ہیں لیکن بڑی احتیاط کے ساتھ کہ کہیں چھینٹ نہ پڑجائے، رہی مطلق صفائی؟ تو اس کا ادنیٰ خیال کرنے والے بھی کموڈ کا استعمال صرف مجبوری کی حالت میں ہی کرنا گوارا کرتے ہیں، لیکن داد دیجیے، ترقی یافتہ دنیا کے ترقی یافتہ لوگوں کو کہ وہ اپنی سائنس سے نہیں اپنی تہذیب سے کموڈ کو بھی واش بیسن بنا دیتے ہیں، Tow in One کی اس سے عمدہ مثال اور کیا ہوگی جس میں غلاظت اسی سے صفائی اور جس سے صفائی اسی میں غلاظت۔

دیکھئے برطانیہ میں مقیم ایک صاحب کیا کہتے ہیں:

برطانیہ میں پانی کا استعمال بہت کم کیا جاتا ہے، میں جس فلیٹ میں رہتا تھا اس کی مالکن اکثر مجھے ٹوکا کرتی تھی کہ مسٹر تم پانی کا استعمال بہت کرتے ہو، مجھے جستجو ہوئی کہ یہ انگریز پانی کی بچت کیسے کر لیتے ہیں، ضرورت تو ان لوگوں کو بھی پیش آتی ہوگی، ہاتھ منھ تو وہ بھی دھوتے ہوں گے، تحقیق کی تو پتہ یہ چلا کہ کہ وہ پانی کے بجائے ٹشو پیپر کا استعمال کرتے ہیں دوسرے یہ کہ (Siphon) میں بھرے پانی سے ہاتھ منھ دھو لیتے ہیں، سائفن کا پانی کیوں کہ سائفن ہی میں رہتا ہے اس لیے پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں ہو پاتا، خون بہانے میں فیاض یہ قوم پانی بہانے میں اتنی کنجوس ہوگی یقین نہ آتا اگر گھر ہی کے آدمی کی گواہی نہ ہوتی۔

نیویارک میں ایک ہندنژاد ڈاکٹر نے O.T میں جانے سے پہلے ڈریسنگ روم میں کیا کیا دیکھا، وہ بھی سنتے چلئے:

آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے O.T کے کپڑے پہننے کے لیے جب بھی میں ڈریسنگ روم گیا تو اکثر دیکھا کہ وہاں پہلے سے ٹنگی ہوئی بعض ڈاکٹروں کی پتلونوں میں سوکھے پاخانہ کے دھبہ ہوتے تھے اور زیر جامہ میں تو پاخانہ بھرا صاف نظر آتا تھا اور کیوں نظر نہ آتا، ان کے یہاں آب دست کے کوئی معنی نہیں۔

ان سب واقعات کے بعد شکر ادا کیجیے اپنے مسلمان ہونے کا، قدر کیجیے اپنے اسلام کی جس نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا، اور درود بھیجئے اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے صفائی اور پاکی سے متعلق کوئی پہلو نہ چھوڑا، آج اگر کہیں بھی صفائی اور پاکی نظر آتی ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا صدقہ اور آپؐ ہی کی بعثت کا ثمرہ ہے۔

☆☆☆☆☆

یاد رفتگاں

پروفیسر نادر علی خاں - نابغۂ روزگار شخصیت

پروفیسر مہتاب عالم (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

خال خال ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں عصری امتیاز کے ساتھ دینداری و پرہیز گاری میں بھی اونچا مقام حاصل ہوتا ہے۔ پروفیسر نادر علی خاں صاحبؒ جن کی وفات سالِ رواں میں ماہ رمضان کی ۲۱ ویں شب کو ہوئی، ایسے ہی نابغۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے۔ دراز قد، لمبوترا چہرہ، کشادہ پیشانی، حلم و بردباری کے پیکر، نفاست و نزاکت کی علامت، سبک رفتار، خوش گفتار، باوقار، سراپا اخلاق، جاذب نظر..... یہ وہ الفاظ و اوصاف تھے جو ان پر نگاہ پڑتے ہی کسی خاکہ نگار کے ذہن میں آسکتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اندازہ ہوجاتا کہ یہ شخص اسلامی تشخص کا علم بردار ہے، اور واقعۃً وہ اسلامی زندگی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ رحمہ اللّٰہ تعالی رحمۃ واسعۃ.

وفات کے روز معمول کے مطابق انہوں نے نمازِ تراویح ادا کی، اس کے کچھ بعد انہیں یک گونہ بے چینی کا احساس ہوا، درود شریف کا وِرد شروع کردیا، سانسیں اکھڑنے لگیں، لیکن وہ درود کا ورد کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک جانب غور سے دیکھنے لگے، وہاں موجود لوگوں کو احساس ہوا جیسے کسی عظیم ہستی کا شوق سے دیدار کررہے ہوں، اور اسی کے ساتھ ان کی روح پرواز کرگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

محترم جناب نادر صاحب مرحوم کا نام میں نے سب سے پہلے حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنا۔ یہ ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ میرا داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوگیا تھا۔ میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی خدمت میں نظیر آباد میں واقع ان کی رہائش گاہ پر شام کے وقت حاضر ہوا، رات میں میری علی گڑھ واپسی تھی، حضرت سے دعاؤں کی درخواست کی، حضرت نے دعائیں دیں اور فرمایا کہ علی گڑھ میں نادر صاحب سے ملاقات کرنا اور میرا اسلام کہنا۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں علی گڑھ میں ڈاکٹر خالد صدیقی سے تو واقف ہوں، ان سے نہیں۔ فرمایا کہ خالد صاحب سے بھی ملنا اور نادر صاحب سے بھی۔

حسنِ اتفاق کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سال اول میں اردو زبان ہر طالب علم کو compulsary subject کے طور پر پڑھائی جاتی تھی، اسی بنا پر، گو میں سائنس کا طالب علم تھا، اردو نادر صاحبؒ سے پڑھنے کا مجھے موقع ملا، جس کو میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ نہایت مشفق اور غیر معمولی محبت کرنے والے استاد، وقت کی پابندی خال خال لوگوں میں اس درجہ دیکھی ہے۔ میں کلاس میں ۵؍منٹ تاخیر سے آتا تھا تو ایک بار بڑی محبت سے پوچھا: مہتاب میاں! تمہارے پاس سائیکل ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو پوچھا: کس ہاسٹل میں رہتے ہو؟ میں نے کہا: سرسید ہال میں۔ فرمایا: دیر کیوں ہوجاتی ہے؟ بندہ نے کہا کہ جناب! کھانا کھاتا ہوتا ہے، ظہر کی نماز ادا کرنی ہوتی ہے، ایک بجے کلاس سے فارغ ہوتا ہوں، اور آپ کی کلاس ایک بج کر پچاس منٹ پر شروع ہوجاتی ہے، یعنی ۵۰؍منٹ ہی ملتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے بڑی محبت سے فرمایا کہ: میری بھی lunch سے پہلے ۱ر بجے تک کلاس ہوتی ہے، میں بھی کھانا کھاتا ہوں، الحمد للہ نماز بھی پڑھتا ہوں، میرے پاس sycle بھی نہیں ہے، کلاس لینے کے بعد اپنے گھر پیدل جاتا ہوں، جو تقریباً اس فاصلہ پر ہے جو تمہارے ہاسٹل کا ہے، وہاں کھانا کھاتا ہوں، وہاں سے پیدل مسجد آتا ہوں.....الغرض کچھ اس انداز سے انہوں نے سمجھایا کہ اس کے بعد میں کبھی کلاس میں تاخیر سے نہیں پہونچا۔ جب آفتاب ۱۱:۷ پر طلوع ہوتا تھا، اس وقت بھی ان کی کلاس روزانہ ٹائم ٹیبل میں ۸؍بجے کی لکھی ہوتی تھی، ۳۳؍سال کے عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک منٹ بھی تاخیر ہوگئی ہو۔ فرماتے تھے: جب جناب سید حامد صاحب شیخ الجامعہ تھے تو ۲یا۳؍بار ایسا ہوا کہ وہ ٹھیک ۸؍بجے آئے، تو الحمد للہ میں کلاس میں اکیلا بیٹھا طلبہ کا انتظار کررہا ہوتا۔

میں یونیورسٹی میں داخل ہوا تو ایک صاحب جو بعد میں میرے قریبی دوست ہوگئے تھے، ان کے ذریعہ معلوم ہوا کہ نادر صاحبؒ کی ۲۰-۲۲؍ سالوں میں تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ میں نے خود سالہا سال علی گڑھ، دہلی نیز مختلف شہروں میں اس کا مشاہدہ کیا۔ کبھی بھی نادر صاحبؒ کی تکبیرِ اولیٰ نہیں چھوٹی۔ عشاء کی نماز میں وہ روزانہ ایس ایس ہال کی جامع مسجد میں تشریف لاتے تھے؛ کیونکہ اس وقت تبلیغی امور کا مشورہ وہیں ہوتا تھا، عشاء کی اذان ہورہی ہوتی اور نادر صاحب مسجد میں داخل ہورہے ہوتے، ہمیشہ صفِ اول میں نماز ادا کرتے تھے۔ غالباً ۳۵-۴۰؍سال سے زائد عرصہ تک انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار میں تکبیرِ اولیٰ سے نماز پڑھنے کا اہتمام کیا، اور اپنے متعلقین کو اس کی تلقین بھی کی۔ ایک مرتبہ بنگلہ والی مسجد میں ۴؍ماہ

لگا کر واپس آئی ایک جماعت کی کارگذاری سن رہے تھے، اس وقت بندہ بھی وہاں موجود تھا، نادر صاحبؒ نے معلوم کیا کہ کوئی آپ لوگوں میں ایسا تو نہیں جس کی ان ۴ر ماہ میں تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو؟ ۔ایک صاحب پوری جماعت میں سے اٹھے اور کہا: صرف ۲ر نمازوں میں فوت ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے خفگی کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ جب ۲۴ر گھنٹے مسجد میں رہنے والے تکبیرِ اولیٰ سے نماز نہیں ادا کریں گے تو باہر کے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟۔

یونیورسٹی میں تعلیم و تدریس اور تبلیغی و دعوتی مصروفیات کے ساتھ وہ عبادت کے معمولات میں کبھی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ نظام الدین میں ان کے قیام کے دوران سنا کہ: ابھی آج کی تلاوت کچھ باقی ہے، لہٰذا اب مزید بات چیت یا ملاقات کا سلسلہ ممکن نہیں۔ بہت سے لوگ اپنے مختلف مسائل نادر صاحب کے سامنے بیان کرتے تھے، اور ڈاکٹر صاحب استغفار کی تلقین کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ رسول کا نہیں بلکہ اللہ کا بتایا ہوا وظیفہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: "و ان استغفروا ربکم، انه کان غفاراً، یرسل السماء علیکم مدراراً، و یمددکم بأموال و بنین، و یجعل لکم جنات و یجعل لکم انهاراً"۔ راقم کئی ایسے لوگوں سے واقف ہے جو بے روزگار تھے، اور نادر صاحب نے پڑھنے کے لیے یہی وظیفہ بتایا، تو انہیں یونیورسٹی میں ہی ملازمت ملی اور Dean جیسے عہدوں پر فائز ہو کر سبکدوش ہوئے۔

احسان و تزکیہ کے باب میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کا تعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، جن کے پاس وہ پابندی میں رمضان میں اعتکاف کی نیت سے جایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ہر سال یہ گمان ہوتا تھا کہ حضرت شیخ انہیں اصلاح و ارشاد کی اجازت دیں گے۔ گو کہ ایسا نہ ہوا؛ لیکن شیخ کے انتقال کے بعد کئی بزرگوں نے ان کو اجازت سے نوازا۔ میری وقت کے اکابر و مرشدین سے جب بھی ملاقات ہوئی ہر ایک نے ان سے متعلق ضرور دریافت کیا، میری سہارنپور حاضری کے دوران ہمیشہ مولانا محمد طلحہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے، اور بنگلہ والی مسجد نظام الدین میں میرے شیخ حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمیشہ معلوم کرتے تھے کہ "بھائی نادر کیسے ہیں؟"۔ شاید اسی بنا پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا عبد الرشید صاحب، مولانا عبد الرحیم اور مولانا عبد العظیم دہلی سے جنازے کی نماز میں سخت موسم کی پرواہ کیے بغیر شرکت کے لیے آئے۔

ڈاکٹر صاحب سادات کا غایت درجہ احترام کرتے تھے، خاص طور پر ناظم ندوۃ العلماء اور جانشین حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے لیے بہت اونچی اونچی دعائیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ آج کل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی طبیعت خراب چل رہی ہے، میں ان کے لیے بہت زیادہ دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ ان کا سایہ ہم لوگوں پر تادیر قائم رکھے، وہ امت کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

بندہ حسنی خاندان کے معروف فرد جناب محمود حسن حسنی ندوی کا جب بھی نادر صاحب سے سلام عرض کرتا اور دعاؤں کی درخواست کرتا تو فرماتے تھے کہ میں اس خاندان کے بچے بچے سے محبت کرتا ہوں، اور التزاماً دعا کرتا ہوں۔ علی گڑھ تبلیغ کے ذمہ داروں میں ڈاکٹر عبد العلیم کی بہت عزت کرتے، اور ہمیشہ سید صاحب کا لقب ان کے لیے استعمال کرتے۔ اس کے علاوہ ہر بزرگ کا نام بہت احترام سے لیتے۔

نادر صاحب مرحوم دعوت و تبلیغ کے میدان کے ایک صاحبِ امتیاز خطیب بھی تھے، ان کا لب و لہجہ، خوبصورت و دلنشین انداز اور باوقار گفتگو اہلِ علم کی صحبت سے فیض یافتہ ہونے کی بنا پر کتاب و سنت کی روشنی میں ہوتی، اور شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کا پروفیسر ہونے کی بنا پر اس میں اردو زبان کی چاشنی بھرپور ہوتی، سامعین دل تھام کے سنتے، اور حیرت کرتے کہ ان کو شعبۂ اردو کا پروفیسر سمجھیں یا کسی دینی ادارہ کا عالم یا پھر کسی خانقاہ کا مصلح و مرشد!! حالانکہ ان کے بیان میں ثقیل اردو الفاظ بھی آجاتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود وہ ان کا ایسے موقع پر استعمال کرتے کہ عوام کو ان کے بیان کو سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی، اور وہ ان کے بیان کو خوب پسند کرتے۔ ۱۹۸۰ء کے امریکہ کے سفر میں نیویارک میں یو، این، او کی جنرل اسمبلی میں واقع اس مسجد میں نادر صاحب کا انگریزی میں خطاب ہوا، جہاں تمام اسلامی ممالک کے سفراء اور نمائندے جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ ابتداء میں صرف ۷ر منٹ کا وقت دیا گیا، جب وقتِ مقررہ پر ڈاکٹر صاحب نے بات ختم کی تو وہاں موجود حضرات نے بیان کو جاری رکھنے کی درخواست کی۔

وہ کہا کرتے تھے کہ:

"صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں دو نمایاں صفات سادگی اور مجاہدہ کی پائی جاتی تھیں۔ باطل نے محنت کر کے مسلمانوں میں سادگی کو فیشن سے بدل دیا، اور مجاہدہ کو آرام پرستی سے"۔

اور یہ بھی فرماتے کہ:

"ہم سے لوگ تنقید کے طور پر یہ پوچھتے ہیں.....

.....بقیہ صفحہ ۳۲ر پر

تذکیر وارشاد

یوم عاشوراء کی اہمیت وفضیلت

محمد قمرالزماں ندوی

تقویم اسلامی کے سب سے پہلے مہینے محرم الحرام کا دسواں دن اور بعض روایات میں نواں دن یوم عاشورہ کہلاتا ہے، یوم عاشوراہ محرم کی دسویں تاریخ کے سلسلے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس دن بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ اسی دن بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی گئی۔ اسی دن فرعون کو غرق کیا گیا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی اور اسی روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ یہودی یوم عاشورہ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اس دن عید مناتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کی عورتیں اس دن عمدہ لباس اور زیور پہنتی تھیں۔

یوم عاشوراء زمانۂ جاہلیت میں

یوم عاشورہ زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا۔ اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔

قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملتِ ابراہیمی کی نسبت جو اچھے کام کرتے تھے۔ ان میں آپؐ ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپؐ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: قریش زمانہ جاہلیت میں یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاہلیت کے زمانے میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپؐ مدینہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہود کے یہاں یہ دن انتہائی مبارک ومسعود ہے تو آپؐ نے اس دن روزے کا اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھیں۔

یوم عاشوراء کی تعیین اور اہل علم کی تحقیق

یوم عاشوراء کی تعیین کے سلسلے میں روایات میں اختلافات پایا جاتا ہے، بعض رویات سے ثابت ہوتا ہے کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک اس سے مراد محرم الحرام کی نویں تاریخ ہے۔ پہلی صورت میں یوم کی اضافت گزشتہ رات کی طرف ہوگی اور دوسری صورت میں یوم کی اضافت آئندہ رات کی طرف ہوگی۔ غالباً اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے وقت فرمایا کہ یہود چوں کہ دسویں محرم کو عید مناتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں اس لیے تم نویں یا گیارہویں محرم کو روزہ رکھو اور فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو یہود کی مخالفت کرتے ہوئے نویں محرم کو روزہ رکھوں گا۔

اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ الحکم بن الاعرج کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا جبکہ وہ زمزم کے پاس اپنی چادر کا تکیہ بنائے ہوئے تھے اور میں نے پوچھا کہ مجھے یوم عاشوراء کے بارے میں بتایئے کیوں کہ میں اس کا روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ ابن عباسؓ کہنے لگے کہ جب محرم الحرام کا چاند نظر آئے تو دن گننا شروع کردو اور پھر نو تاریخ کی صبح کو روزہ رکھو۔ تو میں نے پوچھا کیا حضرت محمد بھی اسی دن روزہ رکھتے تھے؟ ابن عباسؓ کی روایت کی بنیاد آنحضرت کا یہی ارشاد ہے کہ میں آئندہ سال زندہ رہا تو یہود کی مخالفت کرتے ہوئے نویں محرم کو عاشوراء کا روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک موقع پر کہا کہ تم لوگ یہودیوں کی مخالفت کرتے رہو نویں اور دسویں محرم کو دونوں دن روزہ رکھو۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

یوم عاشوراء کی فضیلت اور اس کے روزے کی اہمیت کے بارے میں متعدد روایات آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے منقول ہیں، چند روایات کتبِ احادیث سے پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رمضان المبارک کے بعد سب سے زیادہ افضل روزہ محرم کا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھو کیوں کہ اس دن کا روزہ انبیاء کرام رکھا کرتے تھے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر ماہ رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا چاہو تو پھر محرم کا روزہ رکھا کرو کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں ایک دن ایسا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے پچھلے لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور اسی دن آئندہ بھی لوگوں کو توبہ قبول فرمائیں گے۔ یوم عاشورہ کے موقع پر لوگوں کو سچی توبہ کی تجدید پر ابھارا کرو اور توبہ کی قبولیت کی امید دلاؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس دن پہلے لوگوں کی توبہ قبول کرچکے ہیں، اسی طرح آنے والوں کی بھی توبہ قبول فرمائیں گے۔ [جامع ترمذی]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے ہوں اور بہت زیادہ فکر کرتے ہوں سوائے اس دن یوم عاشوراء کے سوائے اس ماہ مبارک رمضان کی۔[بخاری ومسلم]

عاشوراء کے روزہ کا حکم

بعض احادیث میں ہے کہ آپؐ نے یوم عاشوراء کے روزے کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ عاشوراء کے موقع پر آپؐ نے انصار مدینہ کی بستیوں میں یہ اعلان کرادیا کہ لوگوں میں جس نے روزہ رکھا ہے۔ اسے پورا کرے اور جس نے نہیں رکھا وہ اسی حال میں دن گزارے اور کچھ نہ کھائیں پئیں بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں۔ اس کے بعد انصار مدینہ کا یہ معمول تھا کہ وہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ ان کے بچے بھی روزہ رکھتے تھے۔ بچوں کو مسجد میں لے جاتے انہیں کھلونے دیتے لیکن جب کوئی بچہ بھوک سے روتا تو اسے کھانا بھی کھلا دیا جاتا تھا۔ ان احادیث کی بنا پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشوراء کا روزہ واجب تھا۔ بعد میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی۔ جس کے بارے میں رسولؐ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہوجائے گی۔

اور صوم عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہوجانے کے بعد بھی رسولؐ کا معمول یہی رہا کہ آپؐ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ میں روزے رکھنے کو اپنا اصول ومعمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس دن تو یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی، ملی اور مذہبی شعار ہے) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا محرم آنے سے پہلے ہی رسولؐ کی وفات ہوگئی۔

موجودہ زمانہ میں عاشوراء کا روزہ دو یا ایک

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''نویں کو روزہ رکھنے کا آپؐ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہمارے اور یہود ونصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہوجائے گا۔ اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے''۔

آگے لکھتے ہیں: ''یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یوم عاشوراء (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی عمل بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا لہٰذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے (واللہ اعلم)[معارف الحدیث: ج۴/ص۱۷۱]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

''مسنون روزہ یوم عاشوراء (دس محرم) اور اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ہے، حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس دن کا روزہ گزرے ہوئے سال کے گناہوں کے لیے کفارہ ہوجائے گا۔ چوں کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے اس لیے آپؐ نے امتیاز کے طور پر دس کے ساتھ نو محرم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خود آپ کا بھی یہی معمول نقل کیا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً یہی روزہ فرض تھا اور ماقبل اسلام ہی سے قریش یہ روزہ رکھا کرتے تھے، بعد کو جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تنہا دس تاریخ کو روزہ رکھنا مکروہ ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے یہاں مکروہ نہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ چوں کہ فی زمانہ یہودیوں کے یہاں قمری کیلنڈر مروج ہے اور نہ اس دن روزہ رکھنے کا اہتمام ہے، اس لیے نو تاریخ کو روزہ رکھنے کی اصل علت یعنی یہود سے تشبہ اور مماثلت موجود نہیں، لہٰذا تنہا دس محرم کو روزہ رکھنا بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم[قاموس الفقہ: جلد۴/لفظ صوم]

اھل و عیال پر فراخی کی روایت

ایک روایت عوام میں معروف ہے کہ: من وسع علی عیالہ فی یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ فی سنۃ کلھا (جو عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت برتے اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت میں رکھیں گے)۔

اس بنا پر حصکفی، شامی اور صاوی وغیرہ نے اس دن بال بچوں پر خرچ کرنے میں فراخی کو مستحب قرار

دیا ہے، حصکفی نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر حدیث کو بھی صحیح قرار دیا ہے، بلکہ خود سیوطی نے بھی اس پر 'صحیح' کا رمز لگایا ہے، لیکن محقق علماء کے نزدیک یہ ادعا درست نہیں ہے، اس روایت کو طبرانی نے حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے، پہلی حدیث میں محمد بن اسماعیل جعفری اور دوسری حدیث میں ہیصم بن شداخ ہیں، بیہقی نے ان دونوں ہی راویوں کا حد درجہ ضعیف ہونا نقل کیا ہے، ابن رجب نے اس کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جتنی سندوں سے مروی ہے' سبھی ضعیف ہیں، ابن عدی نے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، لیکن یہ قول زین الدین عراقی اس میں تین تین ضعیف راوی موجود ہیں، حجاج بن نصیر، محمد بن ذکوان، سلیمان بن ابی عبداللہ بلکہ ابن جوزی نے تو اس کو موضوع اور مجدالدین فیروز آبادی نے قاتلانِ حسین کی من گھڑت بات قرار دیا ہے۔

سرمہ لگانے کی روایت

یہی حال اس روایت کا ہے جس میں اس دن سرمہ لگانے کی ترغیب آئی ہے، علامہ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے اس کو موضوع و بے اصل اور سیوطی نے حد درجہ ضعیف قرار دیا ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب میں اس سے اجتناب کو واجب کہا گیا ہے، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے کہ یوم عاشوراء میں سوائے روزہ کے اور کچھ ثابت نہیں، اس دن کھانے میں فراخی کی روایت یوں بھی غلط معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف روزہ کا حکم اور دوسری طرف فراخی کے حکم کا متعارض ہونا ظاہر ہے۔

الغرض عاشوراء کی اہمیت وفضیلت اس بات کا متقاضی ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے اور پورے دن کو ذکر خداوندی اور یاد الٰہی میں گزارا جائے، روزہ رکھنے سے فائدہ ملے گا کہ ان دن زیادہ نیکی اور ثواب کمانے کا موقع ملے گا۔ اور ساتھ ہی اس اہم دن کو سنجیدگی کے ساتھ گزارنے کا موقع ہوگا۔ یوم عاشوراء کے متبرک موقع پر یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ اس عظیم دن کو لاپرواہی میں گزار دیا جائے۔ یا اس دن غیر مناسب کام کیے جائیں، اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اس دن کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۹ر کا

کہ آپ اس کام کے ذریعہ مسلمانوں کو اور کتنا پیچھے لے جائیں گے؟ تو ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں، اور صحابہؓ کی صفوں میں پیچھے شامل ہو جائیں"۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے دین کی تبلیغ کی خاطر ملک کے طول وعرض میں بے شمار اسفار کیے؛ شاید ہی کوئی صوبہ اس ملک کا ہو جہاں کے متعدد شہروں میں ان کے اسفار نہ ہوئے ہوں۔ بیرون کے اسفار میں امریکہ کے تین سفر، اور کینیڈا، فرانس، اردن، شام اور سعودی عرب کے اسفار اس وقت راقم کے ذہن میں ہیں، یقیناً اور بھی ممالک ہوں گے جہاں ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اللہ کے کلمہ کو بلند کیا ہوگا۔ امریکہ کے ایک دعوتی سفر میں ان کی جماعت ایک بڑے کار حادثہ سے دوچار ہوئی، جس میں کئی افراد جاں بحق ہو گئے، خود ان کے جسم میں کئی جگہ جگہ فریکچر تھے، وہ کافی عرصہ تک وہیل چیئر پر رہے، اس جماعت کے سلسلہ میں بشارتیں بھی بعض لوگوں نے خواب میں دیکھیں۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خود کو مرکز تبلیغ نظام الدین کے لیے وقف کر دیا تھا، جہاں انہوں نے ایک مدت تک دعوت وتبلیغ کی خدمت میں گذاری، حیاتِ مستعار کے آخر کے عرصہ میں طبیعت کی ناسازی کی بنا پر علی گڑھ رہائش اختیار کر لی تھی، جہاں لوگ مستقل ان سے ملاقات و استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے، اور اس کے لیے دن میں باضابطہ وقت مقرر تھا۔ اس کے علاوہ وہ باقی وقت عبادت وریاضت میں صرف کرتے، تلاوت واستغفار اور درود شریف کا خاص اہتمام ان کے اوراد میں پایا جاتا، نوافل وتہجد کی آخر وقت تک رہی، اور اسی حال میں وہ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

پروفیسر نادر صاحب مرحوم کی مقبولیت کا اندازہ ان کے جنازہ سے لگایا جا سکتا ہے؛ رمضان کے مہینہ میں سخت موسم کے باوجود جس طرح کثیر تعداد میں لوگوں نے ملک کے مختلف علاقوں سے شرکت کی۔ حکیم کلیم اللہ دامت برکاتہم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور علی گڑھ ہی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

الغرض ڈاکٹر صاحب مرحوم کی شخصیت اس لحاظ سے امت کے لیے بڑا نمونہ ہے کہ انہوں نے عصری و مادی نظام تعلیم کے پس منظر میں رہتے ہوئے' وہ علم وفضل حاصل کیا اور صلاح وتقوی اختیار کیا جو آج کل دینی اداروں سے وابستہ بہت سے افراد کو حاصل نہیں ہوتا۔ وہ سنت وشریعت کی اتباع کا ایک بہترین نمونہ تھے، انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ہر مقام و ہر زمانہ کے لیے ہے، اور اس کی تعلیمات پر ہر شخص عمل کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، اور ہمیں ان کی زندگی سے سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: جب انسان قریب مرگ ہوتو اسے کس طرح لٹایا جائے؟ اس بارے میں وضاحت کے ساتھ رہنمائی کریں، کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ میت کو اس طرح لٹاتے ہیں کہ پاؤں قبلہ رخ ہوتا ہے، جو خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؟

جواب: جب انسان کے انتقال کا وقت قریب ہوجائے تو اسے قبلہ رخ کردینا چاہیے، قبلہ رُخ کرنے کی دوصورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جیسے سوتے وقت داہنی کروٹ سونا مسنون ہے، اسی طرح داہنی کروٹ لٹادیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چت لٹادیا جائے اور پاؤں اور چہرہ دونوں قبلہ رخ ہو، چہرہ کو قبلہ رخ کرنے کے لیے سر کے نیچے کچھ رکھ دیا جائے تاکہ سر اونچا ہوجائے اور چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو، اس صورت میں پاؤں قبلہ رُخ ہوتا ہے، لیکن اصل مقصود پاؤں کو قبلہ رخ کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یہ قبلہ کی بے ادبی نہیں بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرنا ایک علامتی عمل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

[ردالمحتار: ج۳/ص۷۸]

سوال: کیا میت کے قریب قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: میت کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس وقت تک وہ ناپاک ہے، اس لیے غسل سے پہلے میت کے قریب قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے، البتہ غسل دینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔

[کبیری، ص/۵۳۳]

سوال: میت کو رشتہ داروں کے انتظار میں دیر تک رکھتے ہیں، کبھی کبھی ایک دن اور ایک رات کا وقفہ ہوجاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: کسی کے انتقال کے بعد تدفین میں جلدی کرنا چاہیے، رشتہ داروں کے انتظار میں زیادہ دیر تک میت کو روکے رکھنا پسندیدہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی تدفین میں تاخیر کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا! نماز جب وقت ہوجائے، جنازہ جب آجائے اور نکاح جب لڑکی کے لیے مناسب رشتہ آجائے۔

[جامع ترمذی/ حدیث نمبر: ۱۰۷۵]

سوال: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا جسم کو ہاتھ لگانا، اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کے لیے شوہر کے انتقال کے بعد اس کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو غسل دینے کی بھی اجازت ہے کیونکہ شوہر کے انتقال کے بعد جب تک عدت وفات گذر نہ جائے ایک حد تک وہ اس کے نکاح میں رہتی ہے، اس لیے اس کے لیے دیکھنے، چھونے اور بوقت ضرورت غسل دینے کی اجازت ہے، لیکن شوہر کے لیے بیوی کے انتقال کے بعد اس کو غسل دینا اور چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ مرنے کے بعد وہ ایک اجنبی عورت کے حکم میں ہوجاتی ہے، البتہ چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے، علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے: "یمنع زوجها من غسلها ومسّها لامن النظر الیها علی الأصح" (شوہر کو فوت شدہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روک دیا جائے لیکن اصح قول کے مطابق دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا)۔

[الدرالمختار علیٰ ردالمحتار: ج۱/ص۶۶۸]

سوال: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟ کیا حدیث میں اس کی کوئی فضیلت آئی ہے؟ کیا یہ منع تو نہیں ہے؟

جواب: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، فقہاء نے کفن پر اس کو لکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، بسا اوقات نعش پھول پھٹ جاتی ہے، جس سے کفن آلودہ اور ناپاک ہوجاتا ہے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

[ردالمحتار: ج۱/ص۶۶۸]

سوال: کیا مردوں کو سفید کے علاوہ کوئی رنگین کفن دیا جاسکتا ہے؟

جواب: مردوں کو سفید کپڑے کا کفن دینا افضل ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، جو لوگ زندہ ہیں وہ سفید کپڑے کو اپنا لباس بنائیں اور مردوں کو ایسے ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

[مستدرک حاکم/ حدیث ۱۳۰۹]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگین کپڑوں کے بجائے سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ ۲۵؍جولائی ۲۰۲۲ء

Date 25th July 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹؍فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 7275265518

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا